اپریل 2008

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

# پتھر پر تحریر

ناول نمبر 754

اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشتیاق احمد

## تفریح بھی، تربیت بھی

**اٹلانٹس پبلیکیشنز** صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔


| | |
|---|---|
| ناول | پتھر پر تحریر |
| نمبر | 754 |
| پبلشر | فاروق احمد |
| قیمت | 45روپے |




### اطلاعِ عام

بچوں کے مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز، انسپکٹر کامران مرزا سیریز، شوکی سیریز اور عمران سیریز اور دیگر تمام پرانے اور نئے آنے والے ناول صرف اور صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز کراچی سے شائع ہوں گے۔ اگر اشتیاق احمد صاحب کے مذکورہ کرداروں پر بھی ناول کسی اور شخص یا ادارے نے کسی بھی صورت میں شائع کئے تو وہ ہر قسم کے قانونی مواخذے کا ذمے دار ہوگا۔ اشتیاق احمد کے ناولوں کی ہر طرح کی پبلشنگ کے حقوق صرف اور صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز کے پاس ہیں۔



ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے، نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج، نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ کوئی فرض عبادت قبول کرتا ہے نہ نفلی عبادت۔ بدعتی اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔“

☆☆☆

**ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:**

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔

☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم! لیجیے! پتھر پہ تحریر حاضر ہے... اسے پڑھیے اور دھک سے رہ جایئے اور اپنے کرداروں کے ساتھ ایک پتھریلی وادی میں اتر جایئے. جی ہاں! آپ خود کو ہر آن اُن کے ساتھ محسوس کریں گے... آپ کے دل بار بار دھڑکیں گے ...پھر یہ کہانی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی... آپ کو اپنے ساتھ بہائے لیے جائے گی... اور آپ اس کے ساتھ ساتھ بہنے پر مجبور ہوں گے... آپ خود کو ان سے الگ کرنا چاہیں تو بھی نہیں کرسکیں گے... تاہم آخری لمحات آپ کے لیے ضرور پریشان کن ہوں گے... اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہوگی آپ سوچ بھی نہیں سکتے...

آپ چونکہ سوچ نہیں سکتے، لہٰذا آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ آپ سوچیں نہ سمجھیں کہانی کا ساتھ دیں... کہانی آپ کا خود بخود ساتھ دے گی۔

ہوسکتا ہے، آپ سوچ رہے ہوں... یہ کس قسم کی دو باتیں ہیں، ان کا تو نہ سر ہے نہ پیر... بالکل ہی بے تکی ہیں... مجھے افسوس ہے... میں اس ناول کی دو باتیں یہی لکھ سکا... آپ کو اسی سے گزارا کرنا ہوگا... جی ہاں اور کیا۔

اب آپ ناول شروع کریں... اور پورا ناول پڑھ کر ایک خط ضرور تحریر کریں... تاکہ معلوم ہو... آپ کا اس ناول کے بارے میں کیا خیال ہے... کچھ خیال ہے بھی یا نہیں۔

اشتیاق



# شکاری

"شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس میں بے چارے راستے کا کیا قصور۔" فاروق منمنایا۔

"اسے کہتے ہیں سوال گندم جواب چنا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"دور دور تک پہاڑ ہی پہاڑ ہیں... اور سڑک نظر نہیں آرہی... اونچے نیچے پتھریلے راستے ضرور نظر آجاتے ہیں... لگتا ہے... ہم کسی بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے... خان رحمان بڑبڑائے۔

"تمہیں ابھی صرف لگ رہا ہے خان رحمان... میں تو کہتا ہوں... ہم پھنس چکے ہیں... پنکچر گاڑی ہم نہ جانے کس طرف چھوڑ آئے ہیں، اب تو اس کی تلاش بھی ایک مسئلہ بننے والا ہے..." پروفیسر داؤد کی آواز میں بوکھلاہٹ تھی۔

نہ تو بوکھلانے سے کچھ ہوگا نہ گھبرانے... صبر اور سکون سے راستہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے... وہ دیکھیے نیچے... بہت نیچے ایک آدمی بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور تین آدمی کوڑے لہراتے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ جونہی وہ نزدیک پہنچنے لگتے ہیں... اسے کوڑوں سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں... میں تقریباً ایک منٹ سے ان کی بھاگ دوڑ دیکھ رہا ہوں۔" محمود کی آواز نے ان سب کو اس سمت میں دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

ان کی نظریں بھاگنے والے اور تعاقب کرنے والوں پر جم گئیں... چند سیکنڈ بعد ہی وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گئے... وہ اس سمت میں دیکھتے رہے، لیکن وہ پھر نظر نہ آئے...

"پتا نہیں... وہ بے چارہ کون تھا اور کوڑوں والے اسے مار کیوں رہے تھے۔"

"افسوس! ہم تو وہاں تک جا بھی نہیں سکتے... راستہ ہی معلوم نہیں... وہاں تو کیا... ہم تو اپنی گاڑی تک نہیں جا سکتے... فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اب... اب کیا ہوگا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"وہی ہوگا... جو اللہ کو منظور ہوگا۔"

"ابا جان... ذرا اس طرف آجائیں... لگتا ہے... آج یہ پہاڑیاں ہمیں گھیر کر رہیں گی۔" فرزانہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"گھیر کر رہیں گی کیا... گھر چکے ہیں ہم تو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اب ان کے قدم فرزانہ کی طرف اٹھنے لگے... اس بار انہوں نے چند پہاڑی مقامات کی سیر کا پروگرام بنایا تھا... تمام مقامات کی سیر کے بعد انہوں نے واپسی کا پروگرام بنایا تو ایک نیا راستہ اختیار کر لیا... ایک مقامی آدمی نے انہیں بتایا کہ یہ راستہ بہت مختصر رہے گا اور پھر اس راستے میں آنے والے مقامات کی بھی سیر ہو جائے گی۔ انہیں یہ مشورہ پسند آیا اور وہ اس راستے پر چل نکلے... راستے میں ایک جگہ ان کی گاڑی کے دو ٹائر بیک وقت پنکچر ہو گئے... انہیں گاڑی سے اتر کر مدد کی تلاش میں ادھر ادھر پیدل چلنا پڑا... اور پھر وہ اس قدر پیدل چلے کہ گاڑی تک واپسی کا راستہ ہی بھول گئے... اب ان کا ایک مسئلہ تو تھا ٹائروں کو پنکچر لگوانے کا اور دوسرا مسئلہ تھا گاڑی تک پہنچنے کا۔



انہوں نے دیکھا، فرزانہ ایک چٹان کے پاس کھڑی تھی... چٹان کسی تختہ سیاہ کی طرح قدرے ترچھی تھی... اس کے ایک طرف فرزانہ کھڑی اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جیسے کوئی ٹیچر بچوں کو تختہ سیاہ کی طرف متوجہ کر رہا ہے... آخر وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

ان کی نظریں چٹان کے تختے پر جم گئیں... اس پر سرخ رنگ میں ایک تحریر لکھی تھی... تحریر کے الفاظ ان کے لیے سنسنی خیز تھے۔ الفاظ یہ تھے:

ہم یہاں قید ہیں... ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں... کوئی ہے جو ہمیں اس ظلم سے نجات دلائے... ہم کب سے کسی نجات دہندہ کا انتظار کر رہے ہیں... ہمارا یہ انتظار کب ختم ہوگا... کب..

انہوں نے ان الفاظ کو بار بار پڑھا... پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"تم لوگوں نے غور کیا۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"جی کیا مطلب... ہم نے کسی بات پر غور نہیں کیا۔"

"یہ الفاظ سرخ پینٹ سے نہیں لکھے گئے۔"

"اوہ... تب پھر۔"

"یہ خون ہے... انسانی خون۔"

اب انہوں نے غور سے دیکھا... سرخ رنگ کو چھو کر دیکھا...

"واقعی! یہ الفاظ... یہ تو خون سے لکھے گئے ہیں..." فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"اگر یہ پینٹ ہوتا تو سرخ رنگ چمک رہا ہوتا، لیکن چونکہ یہ خون ہے... اس لیے سیاہی مائل سرخ ہو چکا ہے... اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اور سیاہی

مائل ہوتا چلا جائے گا۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے... کسی نے یہ تحریر اپنے خون سے لکھی ہے۔‘‘ محمود بڑبڑایا۔

’’ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔‘‘ فاروق نے فوراً تائید کی۔

’’حیرت ہے، اسے یہ موقع آخر کیسے مل گیا؟‘‘ انسپکٹر جمشید بولے۔

’’ہو سکتا ہے، اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا ہو... لیکن ساتھ ہی اس کا تعاقب شروع کر دیا گیا ہو... تعاقب کرنے والوں نے اس پر فائرنگ بھی کی ہو گی... اور وہ زخمی ہو گیا ہوگا... بس اس وقت اس نے یہ تحریر لکھ دی... اس کے بعد وہ لوگ اس تک پہنچ گئے ہوں گے۔‘‘

’’اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔‘‘

ایسے میں اچانک کئی فائر ایک ساتھ ہوئے اور فضا میں پرندے اڑتے نظر آئے... وہ بری طرح اچھلے... اسی وقت ایک بار پھر فائر ہوئے اور دو تین مرغابیاں گرتی نظر آئیں:

’’یہ کیا... کیا اس طرف ہمارے انکل منور علی خان موجود ہیں۔‘‘ فاروق نے مارے حیرت کے کہا۔

’’دماغ تو نہیں چل گیا... وہ بھلا یہاں کہاں... ہاں کوئی شکاری ضرور ہو سکتا ہے...‘‘

’’آؤ... دیکھتے ہیں۔‘‘ انسپکٹر جمشید پر جوش انداز میں بولے۔

اب وہ اس سمت میں بڑھنے لگے... انہیں کئی کھائیاں عبور کرنا پڑیں... یہ کام آسان نہیں تھا۔ ان میں سے کسی کا پاؤں اگر غلط پڑ جاتا تو وہ سینکڑوں فٹ نیچے جا گرتا... آخر انہوں نے اس شخص کو دیکھ لیا... جس نے فائر کیا تھا... وہ واقعی کوئی



شکاری تھا... اور اس وقت بھی ایک اڑتے پرندے کا نشانہ لینے کی کوشش کر رہا تھا... اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا... انسپکٹر جمشید پکار اٹھے:

’’ایک منٹ! پہلے ہماری بات سن لیں۔‘‘

وہ بہت زور سے اچھلا... اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... اس کے بازو نیچے لٹک گئے... اس کے ساتھ ہی رائفل کی نال زمین سے جا لگی... خوف کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا:

’’آپ... آپ کون ہیں۔‘‘

’’مسافر... راستہ بھول گئے ہیں... آپ کو ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘

’’میں آپ سے نہیں... آپ کے لیے ڈر رہا ہوں۔‘‘ اس نے عجیب بات کہی۔

’’کیا مطلب! ہم سمجھے نہیں! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں... آپ اپنے لیے خوف زدہ نہیں ہیں... ہمارے لیے خوف محسوس کر رہے ہیں۔‘‘

’’ہاں! آپ ان اطراف میں کس طرح آ گئے... یہ علاقہ خطرناک ترین ہے... اس طرف کا کوئی رخ بھی نہیں کرتا... مدت ہوئی... لوگوں نے اس طرف آنا چھوڑ دیا...

’’ہم اب بھی نہیں سمجھے... اگر یہ علاقہ خطرناک ترین ہے... اور اس طرف مدت سے کوئی نہیں آیا... تو آپ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں۔‘‘ انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

اس نے ایک سرد آہ بھری:

’’اس طرف آنا میری مجبوری ہے... میں ایک بہترین نشانہ باز

ہوں... مرغابیاں شکار کرنے کے لیے مجھے یہاں آنا پڑتا ہے... وہ جو ہے نا... اسے بس... مرغابیوں ہی کا گوشت پسند ہے..."

"کیا مطلب... وہ کون ہے..."

"وہ... جس کے یہاں سب کے سب غلام ہیں۔"

"بھائی تم کس کی بات کر رہے ہو... یہ دور غلامی کا نہیں آزادی کا ہے... اب کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا۔"

"اب تو آپ لوگ بھی غلام بن چکے ہیں... اسی لیے تو میں خوف محسوس کر رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولے۔

"ان اطراف میں آنے والا ہر شخص غلام بن کر رہ جاتا ہے... بچ نکلنے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں رہ جاتا... کوئی بھاگ بھی نکلے تو کوڑوں والے اسے واپس کھینچ لاتے ہیں... یہاں دراصل اس کی حکومت ہے..."

"اس کی حکومت... کس کی حکومت؟" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جس کے آپ لوگ بھی غلام بن چکے ہیں۔"

"آپ یہ جملہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں... ہم کیوں بنتے کسی کے غلام... اپنے آزاد ملک میں رہتے ہیں... آزاد فضاؤں میں سانس لیتے ہیں... راستہ ضرور بھول گئے ہیں... لیکن یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر ہماری گاڑی موجود ہے... ابھی ہم واپس جائیں گے اور گاڑی میں بیٹھ کر دارالحکومت کا رخ کریں گے۔"

"اب ایسا نہیں ہو سکے گا۔" شکاری نے سرد آہ بھری۔

"کیسا نہیں ہو سکے گا۔"

"آزاد سانس لینا... گاڑی میں بیٹھ کر جانا... اب یہ نہیں ہو سکے



گا... یقین نہیں تو واپس جا کر دیکھ لیں... اس کے لہجے میں گہری اداسی تھی۔

انہوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا... اس کی آنکھیں زرد ہو چکی تھیں... اور ان میں چمک بھی نہیں رہ گئی تھی... یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی مردہ شخص کی آنکھیں ہوں... اب تک اس نے جتنی باتیں بھی کی تھیں... ان میں طنز نہیں تھا... دکھ اور رنج ضرور تھا... اس سے ظاہر تھا... وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا... نہ بلاوجہ انہیں خوف میں مبتلا کر رہا تھا... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"یہاں مجھے راول کے نام سے بلایا جاتا ہے... ویسے ماں باپ نے میرا نام بشیر احمد رکھا تھا..."

"یہ لوگ کون ہیں... کیا آپ کو یہاں بچپن میں اٹھا کر لایا گیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں... اور نہ میرے کچھ بتانے کا فائدہ ہے... آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"اچھی بات ہے... ہم آپ سے کچھ نہیں پوچھتے... آپ پریشان نہ ہوں۔"

"میں اپنے لیے نہیں... آپ کے لیے پریشان ہوں..."

"اس کی ضرورت نہیں... آپ فکر نہ کریں... چلیے... کس طرف چلنا ہے۔"

"مجھے چلنے کی ضرورت نہیں... گاڑی آئے گی... اور شکار کیے ہوئے پرندوں کو لے جائے گی... وہ میرے لیے گاڑی یہاں تک لے کر نہیں آتے۔ شکار کے لیے لاتے ہیں... صبح مجھے یہاں چھوڑ کر جانا اور شام کو واپس لے جانا، اس کا کام

ہے... آج تو خیر تم بھی ساتھ چلو گے۔"

"لیکن ہم کیوں ساتھ چلیں گے... ہم یہیں سے لوٹ جاتے ہیں۔"

"اب یہ ممکن نہیں... ویسے آپ لوگ کوشش کرنا چاہیں تو اس کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"آنے والے آئیں گے... میرے ساتھ آپ کو بھی لے جائیں گے... لیکن اگر آپ یہ چاہیں گے کہ اپنی کار کی تلاش میں نکل جائیں اور اس میں بیٹھ کر واپس چلے جائیں تو وہ لوگ آپ کو روکیں گے نہیں... آپ کو کھلی اجازت دے دیں گے... پھر آپ جب تک چاہیں یہاں بھٹکتے رہیں... آپ کار تک نہیں پہنچ سکیں گے... پرندے شکار کر کے اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں... لیکن آخر کار آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جانا ہی پڑے گا..."

"آپ کا مطلب ہے... آخر کار ہمیں ان کی غلامی قبول کرنا ہوگی۔"

"ہاں! اب بتائیں... کیا ارادے ہیں۔"

"ہم کار کی تلاش کے چکر میں نہیں پڑیں گے... سیدھے ان کے پاس جائیں گے... تاکہ۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

اسی وقت انہیں ایک آواز سنائی دی:

☆☆☆



# جیپ والے

آواز ایک پتھر کے لڑھکنے کی تھی... کوئی بہت بڑا پتھر لڑھک کر نیچے کا رخ کر رہا تھا:

"یہ... یہ اس پتھر کو کیا ہوا؟" فرزانہ بوکھلا اٹھی۔

"یہاں تو چاروں طرف پتھر ہی پتھر ہیں... تم کس کس پتھر کے بارے میں پوچھو گی۔" فاروق مسکرایا۔

"حد ہوگئی... اسے کہتے ہیں... سوال گندم جواب چنا۔"

"یہ پتھر خود گرایا گیا ہے... یہاں کام ہی پتھر توڑنے کا ہوتا ہے۔" بشیر احمد اداس انداز میں بولا۔

"خود گرایا گیا ہے، لیکن کیوں؟"

"آپ کو سب معلوم ہو جائے گا... وہ دیکھیے... نچلی سڑک سے ایک جیپ اوپر آ رہی ہے۔" اس نے اشارہ کیا... انہوں نے اوپر آتی جیپ پر ایک نظر ڈالی...

"کیا یہ وہ لوگ ہیں... جو آپ کو لے جانے کے لیے آ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں... آپ کو لے جانے کے لیے آ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب... انہیں کس طرح معلوم ہو گیا ہمارے بارے میں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ان حدود میں جب کوئی آتا ہے تو انہیں سب نظر آ جاتا ہے... ہر طرف خفیہ وڈیو کیمرے نصب ہیں۔"

"اوہو... اچھا۔" مارے حیرت کے محمود کے منہ سے نکلا۔

"اور یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی گاڑی کہ اب آپ لوگوں کی گاڑی اس جگہ موجود نہیں ہوگی.. اسے وہاں سے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہے۔"

"پنکچر گاڑی کو!!!" خان رحمان بولے۔

"ہاں! پنکچر گاڑی کو۔"

"اور اگر ہم آنے والی اس جیپ کو نشانہ بنا دیں... اور یہیں سے واپس پلٹ جائیں۔"

"یہ تجربہ کر لیں... آپ لوگ اول تو ان حدود سے نکل نہیں سکیں گے... اور اگر نکل بھی گئے تو پیدل کتنا فاصلہ طے کر لیں گے... ادھر ہم لوگ آپ کو کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔" فاروق نے واقعی ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"آپ ڈریں یا نہ ڈریں... بات ایک ہی ہے۔"

"اچھی بات ہے... ہم اس جیپ کو ٹھکانے لگانے کی کوشش نہیں کریں گے... اب دیکھ ہی لیں... نیچے ہو کیا رہا ہے۔"

"صرف دیکھنے سے کام نہیں چلے گا... آپ کو تو وہ سب کچھ خود بھی آتا ہوگا۔"



"اچھا میاں... اب اور زیادہ نہ ڈراؤ... آپ ہمیں ضرورت سے زیادہ ڈرا چکے ہیں... کیا نام ہے آپ کا... ہاں یاد آیا... مسٹر راول... جن کا بچپن کا نام بشیر احمد ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

ایسے میں جیپ بہت نزدیک آ گئی... اس میں سے ایک آواز گونجی:

"تم اپنا اسلحہ گرا دو... اگر کوئی بھی خطرناک چیز تم نے اپنے پاس رہنے دی تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"وہ تو آپ پہلے ہی ہیں۔" فاروق بول پڑا۔

"کیا کہا..." چلا کر کہا گیا۔

"معاف کر دیجیے... بچہ ہے... آپ ہم سے اسلحہ گرانے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں... ہم اس وقت اپنے ملک کی حدود میں ہیں... ہمارا ملک ایک آزاد ملک ہے... اور ہم نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا... پھر کیوں اسلحہ گرانے کا کہا جا رہا ہے۔"

"اب تم لوگ اپنے آزاد ملک میں ہمارے ذاتی غلام ہو... جو کہا ہے کرو... ورنہ اس جیپ سے فائرنگ شروع ہو جائے گی..."

"اور اگر ہم جیپ پر فائرنگ کر دیں۔" خان رحمان کو غصہ آ گیا۔

"اس کا نتیجہ صفر نکلے گا... یہ جیپ بلٹ پروف نہیں بم پروف ہے۔"

"اوہو اچھا... ہم نے تو سنا تھا... بلٹ پروف گاڑی بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔"

"تو تم سے کس نے کہہ دیا کہ یہ بہت زیادہ قیمتی نہیں ہے... کم از کم ڈیڑھ کروڑ کی تو ہوگی۔"

"کیا... نہیں۔" مارے حیرت کے وہ چلا اٹھے۔

"ہاں! اب ادھر ادھر کی نہ ہانکو... اسلحہ گرادو..."

"گرادو بھی اسلحہ... یہ بھی کیا یاد رکھیں گے... کس رئیس سے ملاقات ہوئی تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا... کس رئیس سے ملاقات... رئیس اور تم... گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

"لو ان پہاڑوں پر گھاس کہاں۔" فاروق ہنسا۔

"ہائیں ہائیں... یہ ہم نے کیا دیکھا ہے۔" جیپ سے کہا گیا۔

"کیا دیکھا ہے... مہربانی فرما کر ہمیں بھی دکھا دیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"یہ بہت بڑھ بڑھ کر بول رہا ہے... اسے سبق سکھانا ہوگا... جوجی، ذرا اس کے سر پر ایک ہاتھ مار کر واپس جیپ میں آجاؤ۔"

"او کے استاد۔"

جیپ کا دروازہ کھلا... اور ایک بہت بھدے چہرے والا آدمی باہر نکلا:

"جانے دیجیے صاحب... بچہ ہے... اب بڑھ بڑھ کر باتیں نہیں کرے گا۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر آگے آتے ہوئے بولے۔

"استاد کا حکم تو اب بجالانا پڑے گا... کیوں استاد۔"

"بالکل! اگر تم اس کے سر پر ایک ہاتھ مارے بغیر واپس آئے تو میں تمہارے سر پر دو ہاتھ رسید کردوں گا۔"

"نن نہیں استاد... میری کیا مجال کہ میں اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید نہ کرو..."

یہ کہہ کر وہ جھومتا جھامتا آگے بڑھا:



"اسے کہتے ہیں آ بیل مجھے مار۔" محمود نے فاروق کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"بلاوجہ کی لڑائی مول لی تم نے۔"

"اور تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ یہ لوگ ہم سے بلاوجہ کی لڑائی مول لے رہے ہیں۔"

"ان کا تو یہ کام ہے... ہمارا تو یہ کام نہیں۔" فرزانہ نے بھی محمود کا ساتھ دیا۔

"بھئی اب اس کے پیچھے تو نہ پڑ جاؤ... ہوگئی غلطی۔" خان رحمان فاروق کی حمایت کو آگے بڑھے۔

ایسے میں جوجی نزدیک آگیا... اس کے چہرے پر ایک بھیانک مسکراہٹ آگئی... اس نے اپنا دایاں ہاتھ سر سے اوپر اٹھایا اور فاروق کے سر پر دے مارا، لیکن اس کا بازو سیدھا نیچے کی طرف گیا... فاروق چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا نظر آیا:

"یہ کیا جوجی۔" جیپ سے آواز آئی۔

"معاف کرنا استاد... یہ لوگ کچھ چالاک سے لگتے ہیں... میں اب سنبھل کر وار کروں گا۔"

"چلو جلدی کرو۔"

جوجی فاروق کی طرف لپکا۔ اس نے ایک بار پھر ہاتھ سر سے بلند کیا اور نپے تلے انداز میں ہاتھ کو حرکت دی... اس مرتبہ بھی اس کا وار خالی گیا... فاروق پھر فاصلے پر نظر آیا۔

"جوجی۔" استاد گرجا۔

"بس استاد۔"

"تمہاری شامت تو نہیں آئی۔"

"نہیں استاد..."

"تب پھر اس کے سر پر تابڑ توڑ ہاتھ رسید کرو۔"

"او کے استاد۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی جوجی نے فاروق کی طرف دوڑ لگا دی... فاروق بھی بدک کر بھاگا... جوجی اس کے تعاقب میں دوڑا... اور پھر اچانک فاروق نیچے بیٹھ گیا۔ جوجی اپنی زور میں اس سے ٹکرایا اور دوسری طرف الٹ گیا... فاروق ایک بار پھر اس سے کافی دور کھڑا نظر آیا۔

"بہت خوب فاروق! مزہ آ گیا۔" محمود پکارا تھا۔

"اور ابھی کیا کر رہے تھے تم۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"یار معاف کر دو... غلط کہ گیا تھا۔"

"اور میں بھی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"اور میں بھی کیا؟"

"میں نے بھی محمود کی تائید کر کے غلطی کی تھی۔"

"چلو خیر... کوئی بات نہیں... تم نے اپنی غلطی مان لی... تو پھر دور کیوں کھڑے ہو... آ کر ایک ایک ہاتھ جوجی کو تم بھی جھاڑ دو۔"

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... اب یہ بہت ضروری ہے۔"

یہ کہتے ہی محمود اور فرزانہ جوجی کی طرف بڑھے... وہ اب تک اٹھ چکا تھا... تاہم اس کے چہرے سے اطمینان رخصت ہو چکا تھا... پہلے اس کے مقابلے میں صرف فاروق تھا، اب اس کے ساتھ محمود اور فرزانہ بھی آ گئے تھے۔ ان حالات میں وہ



گھبراتا نہ تو کیا کرتا... اپنی ناکامی اس پر پہلے ہی کھل چکی تھی...

وہ تینوں جوجی کے ارد گرد کھڑے ہو گئے... فرزانہ اس کی کمر پر تھی... لہٰذا پہلے اس نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور سر کی ٹکر اس کی کمر پر دے ماری... وہ دھب سے نیچے گرا... یہی وہ لمحہ تھا جب محمود نے اس کی کمر پر چھلانگ لگائی... جوجی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی... ادھر سے فاروق اس کی طرف دوڑا، وہ بھی اس کی کمر پر گرا... ایک بار پھر جوجی ڈکرایا، اور پھر ساکت ہو گیا۔

فضا میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا... کافی لمحے گزر گئے... تب کہیں جا کر جیپ کا دروازہ کھلا... اور چار لمبے تڑنگے آدمی نیچے اترے... وہ منہ سے کچھ نہ بولے... ایک ایک قدم اٹھاتے ان کی طرف بڑھنے لگے... ادھر انسپکٹر جمشید نے دیکھا... جیپ میں اب کوئی نہیں رہا تھا... اور اس کا دروازہ بھی انہوں نے جوں کا توں کھلا چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو اشارہ کیا۔ دونوں نے ان کا اشارہ سمجھ لیا... وہ فوراً ہی جیپ کی طرف بڑھے اور پھر اس میں داخل ہو گئے... دروازہ کھلا رہنے دیا... انہوں نے دیکھا... چاروں لمبے تڑنگے آدمی محمود، فاروق اور فرزانہ کے پاس پہنچ چکے تھے... وہ اچانک اچھلے اور ان پر حملہ کر دیا... تینوں پہلے ہی تیار تھے... کائی کی طرح چھٹ گئے...

"جیپ کی طرف۔" انسپکٹر جمشید پکارے۔

تینوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... فوراً جیپ کی طرف دوڑ پڑے... اور آن کی آن میں اس کے اندر داخل ہو گئے... وہ چاروں جونہی جیپ کی طرف بڑھے، انسپکٹر جمشید ان کے راستے میں آ گئے...

انہیں بے فکری کے عالم میں کھڑے دیکھ کر وہ ٹھٹک سے گئے۔ غالباً ان کے لیے یہ بات حیرت کی تھی کہ ایک اکیلا شخص ان چار سے ذرا بھی خوف زدہ کیوں

نہیں ہے... لیکن زیادہ دیر سوچنے کا وقت ان کے پاس بھی نہیں تھا... لہٰذا چاروں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کیا... انہوں نے اونچی چھلانگ لگائی اور ان کے درمیان سے اس طرح نکل گئے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے... اور پھر وہ رکے نہیں... فوراً جیپ کی طرف دوڑ پڑے... محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت تک جیپ میں داخل ہو چکے تھے... اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے جیپ کا دروازہ بند کر لیا۔

"ارے! یہ کیا ہوا۔" بشیر احمد کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

ادھر وہ پانچوں ہکا بکا جیپ کی طرف دیکھ رہے تھے... ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"جیپ سٹارٹ کرو اور اگر یہ زد میں آتے ہیں تو انہیں کچل دو۔"

فوراً جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز گونج اٹھی... اور ان کی طرف بڑھی:

☆☆☆



## بڑا

جونہی جیپ ان کی طرف بڑھی، وہ خوف زدہ انداز میں ادھر ادھر بھاگے اور پھر دائیں بائیں چھلانگیں لگا گئے۔ جیپ کا راستہ صاف تھا... اس سے پہلے کہ جیپ رفتار پکڑ لیتی... انسپکٹر جمشید نے شیشہ نیچے کر کے بشیر احمد سے کہا:

"تم ہمارے ساتھ آنا چاہو تو آ سکتے ہو... ورنہ ہم جا رہے ہیں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"کوئی فائدہ نہیں... کیا مطلب۔"

"آپ کچھ کر لیں... ان حدود سے نکل نہیں سکیں گے... ہاں ایسا ہو سکتا ہے... لیکن اس کی صورت اور ہے... وہ یہ کہ وہ بڑا اجازت دے دے۔"

"بڑا... کون بڑا۔"

"وہ جو یہاں سب سے بڑا ہے... اس کی مرضی کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہوتا... وہ... وہ دیکھیں اس کا ہیلی کاپٹر آ رہا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر... کیا مطلب... وہ ہیلی کاپٹر پر آتا ہے۔" مارے حیرت کے انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں ہیلی کاپٹر پر آتا ہے... اور ہیلی کاپٹر پر جاتا ہے..."

"کچھ بھی ہو... ہم یہاں سے نکلنے کی اپنی سی کوشش ضرور کریں گے۔"

"لل... لیکن..." فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"لیکن کیا؟"

"کیا آپ پتھر پر لکھی خون کی تحریر کو نظر انداز کر دیں گے۔"

"اوہ نہیں... لیکن جیسا کہ ان حالات نظر آ رہے ہیں... یہاں ہمارے لیے خطرات ہی خطرات منہ کھولے موجود ہیں... ان حالات میں ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔"

"آپ کا مطلب ہے... ہم اس وقت یہاں سے نکل جاتے اور تیاری کر کے دوبارہ آئیں گے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"ہاں مصلحت کا تقاضا تو یہی ہے... کیا خیال ہے خان رحمان۔"

"تم نے جمشید... میرے منہ کی بات چھین لی۔"

"جانے دو بھائی... کیوں مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"ہائیں ہائیں جمشید... کہیں تم پر فاروق کا اثر تو نہیں ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے... جمشید کی سوچ درست ہے... کہیں ہم یہاں گھر نہ جائیں..." پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر بسم اللہ کیجیے... لیکن ہم یہاں آگے ضرور۔" محمود نے قدرے مایوس ہو کر کہا۔

"ان شاء اللہ! تم فکر نہ کرو۔"

"اچھا بھائی شکاری... بشیر احمد صاحب... پھر ملیں گے۔"

"پھر نہیں... بہت جلد ملیں گے..."

"اچھا خیر... دیکھا جائے گا... ہم اس طرف سے آئے تھے... اسی طرف واپس جا رہے ہیں... اللہ نے چاہا تو ہم راستہ تلاش کر لیں گے۔"



اور پھر جیپ تیزی سے آگے بڑھی... ایسے میں ہیلی کاپٹر کی آواز نزدیک آتی محسوس ہوئی۔

"کیا یہ ہماری طرف آ رہا ہے... خان رحمان بڑبڑائے... کیونکہ وہ اوپر نہیں دیکھ سکتے تھے... جیپ جو چلا رہے تھے... اور راستہ پر خطر تھا... ذرا چوک ہو جاتی تو جیپ کھائی میں جا گرتی۔

"ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر ہے اور ہماری طرف ہی آ رہا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"اس کے علاوہ تو کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی۔" پروفیسر داؤد ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولے۔

"اس کے باوجود مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

"یار جمشید... اگر تم ہی ہمت ہار گئے تو بات کیسے بنے گی۔" خان رحمان نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

اچانک انہیں رک جانا پڑا... سڑک پر ایک بہت بڑا پتھر پڑا تھا... اس کے دائیں بائیں سے نکل جانے کا راستہ قطعاً نہیں تھا... انہوں نے گاڑی روک دی اور بولے:

"اب کیا کریں جمشید۔"

"میرا خیال ہے... جیپ یہاں سے بیک نہیں ہو سکتی... اور اگر ہم کسی طرح بیک کر لیں تو بھی... ہم واپس وہیں پہنچ جائیں گے... یعنی اس چٹان کے پاس جس پر تحریر لکھی گئی ہے۔"

"ہوں... اس کا مطلب ہے... ہم واقعی پھنس ہی گئے... خیر گاڑی یہیں چھوڑ دیتے ہیں... اور یہاں سے پیدل آگے چلتے ہیں... کیا خیال ہے۔"

"ظاہر ہے... اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

انہوں نے جیپ وہیں چھوڑ دی اور آگے بڑھے... کچھ دیر تک وہ بہت تیز تیز چلتے رہے... پھر پروفیسر داؤد تھک گئے۔ ان کی وجہ سے انہیں رفتار کم کرنا پڑی... ہیلی کاپٹر بدستور اوپر چکر لگا رہا تھا... ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان کی نگرانی کر رہا ہو...

سڑک کے دائیں بائیں گہری کھائیوں کی طرف دیکھنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ گویا یا تو وہ سڑک پر سیدھے جا سکتے تھے یا واپس جا سکتے تھے... دائیں بائیں ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا... ان کی پریشانی میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا... اچانک سامنے سے ایک گاڑی آتی نظر آئی... اس کے دونوں طرف رائفلوں کی نالیں جھانک رہی تھیں... پھر گاڑی سے آواز ابھری:

"منہ دوسری طرف کر لو... ورنہ ہم فائرنگ شروع کر دیں گے... اور ہماری فائرنگ سے بچنے کا تم لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا کہ دائیں یا بائیں کھائیوں میں چھلانگیں لگا دو، اس صورت میں بھی تم لوگوں کی ہڈی پسلی ایک ہو کر رہ جائے گی... مطلب یہ کہ تمہارے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں... پھر بھی تم کوشش کرنا چاہو تو آؤ... گاڑی کی طرف بڑھ کر دکھا دو۔"

"پہلے تم ان رائفلوں سے فائر کر کے دکھاؤ... کیا خبر تم گیدڑ بھبکی دے رہے ہو۔" محمود چہکا۔

"بے وقوف لڑکے... یہاں گولی مہنگی ہے... انسانی جسم سستا... پھر بھی ہم رائفلوں کا رخ اوپر کر کے فائرنگ کر کے دکھا دیتے ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی رائفلوں سے گولیاں نکلنے لگیں... تڑاتڑ کی تیز آواز پہاڑوں میں گونج اٹھی... اور گونجتی چلی گئی... پھر فائرنگ رک گئی:



"کیا خیال ہے... تم ان گولیوں سے خود کو بچا سکتے ہو... بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے... یہ کہ تم کھائیوں میں چھلانگیں لگا دو... اگر ایسا کرنے کی ہمت ہے تو ہم رائفلوں کے رخ نیچے کر کے شروع کر دیتے ہیں فائرنگ۔"

"آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں۔" فاروق نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں... اب بات کی ہے سیدھے منہ... جس طرف سے آئے تھے... واپس اسی طرف چلو اور دوڑتے ہوئے چلو... جونہی تم رکے... ہم گولیوں کی بارش کر دیں گے۔"

"ابھی آپ کہہ رہے تھے... یہاں گولیاں مہنگی ہیں اور انسانی جسم سستے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

اور انہیں مسکرانا پڑ گیا:

"میں نے ٹھیک کہا تھا... تم دیکھ ہی لو گے۔"

"چلو بھئی... اب آ گئے ہیں تو دیکھ ہی لیں... یہاں کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے تنگ آ جانے کے انداز میں کہا۔

اور پھر انہوں نے اس گاڑی کے آگے آگے چلنا شروع کر دیا... وہ دوڑتے رہے یہاں تک کہ اس پتھر کے پاس پہنچ گئے:

"اب کیا کریں... کیا آپ بھی اب نیچے اتر کر ہمارے پیچھے آئیں گے۔"

"نہیں... تم لوگ پتھر کے پاس سے ہٹ آؤ... ہم اسے لڑھکا دیتے ہیں۔"

"آپ... اور اس پتھر کو لڑھکا دیں گے..." محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! کیوں نہیں... بس تم دیکھتے جاؤ۔"

"پہلے بھی سب کچھ کہ چکے ہیں... تم دیکھ ہی لو گے... آخر ہم کیا کیا دیکھیں گے یہاں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"چپ بدتمیز... جلدی ادھر آجاؤ... کہیں تم بھی لپیٹ میں نہ آجاؤ اور پتھر کے ساتھ کھائی میں جا گرو۔"

وہ فوراً ایک طرف ہٹ گئے... اب گاڑی میں سے راکٹ لانچر کی قسم کی نال نکلی اور اس سے ایک فائر کیا گیا... فائر پتھر کو جا کر لگا... وہ اپنی جگہ سے ہل گیا... لیکن کھائی میں نہ گرا... اب دوسرا فائر ہوا... وہ پھر ہلا... آخر پانچویں فائر نے اسے کھائی میں لڑھکا دیا:

"کیوں... راستہ صاف ہوا یا نہیں۔"

"کمال ہے... یہ عجیب راکٹ لانچر ہے۔"

"چلو بھاگو... نہیں تو آیا فائر۔"

وہ پھر بھاگنے لگے... اس گاڑی کی رائفلوں سے بچنے کا ابھی تک انہیں کوئی طریقہ نہیں سوجھا تھا۔

اور پھر بھاگتے بھاگتے... شکاری بشیر احمد کے پاس پہنچ گئے۔ جونہی اس نے ان کے بھاگنے کا منظر دیکھا... بے ساختہ ہنسا... پھر بولا:

"میں نے پہلے ہی کہ دیا تھا... آپ لوگوں کو واپس آنا ہوگا... یہاں تو میں آج تک فرار نہیں ہو سکا... پینتیس سال ہو گئے ہیں... پینتیس سال۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"راول... کیا بدتمیزی ہے... تم ہمارے نئے شکار سے اس طرح گھل مل کر باتیں کرو گے۔"



"نن نہیں... سر... نہیں... مم... میں بھول گیا تھا... غلطی ہو گئی... معاف کر دیں۔"

"چلو معاف کیا... اب تک کتنی مرغابیاں ماریں۔"

"چودہ۔"

"بس کافی ہیں... گاڑی کے لیے سگنل دے دو... ہم ان لوگوں کو لے جا رہے ہیں۔"

"لیکن جناب... آخر آپ انہیں کب تک دوڑائیں گے... میں انہیں اپنے ساتھ لے آتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے... ایک طرف ہٹ جاؤ... بزدلو..."

اس کا جملہ سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہرے تن گئے... ان کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"نہیں بھئی... یہ وقت غصے کا نہیں..." انسپکٹر جمشید نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا... اور وہ ایک طرف ہو گئے۔

وہ گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے... ادھر بشیر نے جیب سے ایک چھڑی سے بندھا گیس کا غبارہ کھولا اور اسے فضا میں چھوڑ دیا... وہ اوپر اٹھتا چلا گیا... جلد ہی ایک جیپ آتی نظر آئی۔

"یہ گاڑی مجھے لینے کے لیے آ رہی ہے... اسی میں آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔"

"آپ کا شکریہ!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ کس بات کا۔" اس نے ان کی طرف حیران ہو کر دیکھا۔

"آپ نے ہمیں دوڑنے سے بچا لیا۔"

"اوہ اچھا... لیکن مجھے آپ لوگوں پر ترس آ رہا ہے... خاص طور پر ان پر۔" اس نے پروفیسر داؤد کی طرف اشارہ کیا۔

"خاص طور پر ان پر کیوں؟" محمود نے پوچھا۔

"یہ بے چارے... پتھر کس طرح توڑیں گے۔"

"کیا مطلب... کیا کہا تم نے... کیا یہاں لوگوں کو غلام بنا کر ان سے پتھر تڑوائے جاتے ہیں۔"

"ہاں... یہاں لوگوں کو اغوا کر کے لے آتے ہیں... لاتے بھی ان کے بچپن میں... اب آپ مجھے ہی دیکھ لیں... میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا جب یہ لوگ مجھے اٹھا کر لائے۔"

"نہیں!!!" ان کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا، عین اسی لمحے ہیلی کاپٹر ان کے عین سروں پر آ کر رک گیا۔

☆☆☆



# سانپ ہی سانپ

انہوں نے گھبرائے ہوئے انداز میں اوپر دیکھا... اوپر سے سیڑھی لٹکائی جا رہی تھی... سیڑھی جب نیچے آ گئی تو اوپر سے کہا گیا:

"بشیر احمد! ان لوگوں سے کہو، اوپر آ جائیں ہیلی کاپٹر پر... ان لوگوں کو پہلے ہیڈ کوارٹر جانا پڑے گا۔"

"جی... جی بہت بہتر..." بشیر احمد نے بوکھلا کر کہا اور پھر ان سے بولا:

"جلدی سے اس سیڑھی کے ذریعے اوپر چلے جائیں۔"

"اچھی بات ہے بشیر احمد... پھر ملاقات ہوگی۔"

"جج... جی... ہاں... جی ہاں، کیوں نہیں..."

وہ جیپ سے نکل آئے اور سیڑھی پر چڑھتے چلے گئے... انہوں نے دیکھا... ہیلی کاپٹر میں صرف دو آدمی تھے... ایک پائلٹ ایک اس کا ساتھی... پائلٹ نے انہیں ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

وہ ان دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے بیٹھنے لگے... دونوں سر سے لے کر پیر تک عجیب قسم کے لباس میں تھے... اور ان کے ساتھ ہی پیرا شوٹ بھی موجود

تھے... گویا کسی وقت بھی وہ ہیلی کاپٹر سے چھلانگیں لگا سکتے تھے۔

"تو آپ ہمیں ہیڈ کوارٹر لے جانا چاہتے ہیں۔" محمود بول پڑا۔

"ہاں! یہی حکم ملا ہے۔"

"کیا نئے پھنسنے والوں کو اسی طرح ہیڈ کوارٹر لے جایا جاتا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"ایسا اس سرزمین پر پہلی بار ہو رہا ہے۔"

"مطلب یہ کہ ایسا صرف ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اور اس پر ہمیں بھی حیرت ہے۔" پائلٹ نے جواب دیا۔

"اور یہ آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں جیسے ابھی ہیلی کاپٹر کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلیں گے۔"

"ہم آپ کے لیے خاص طور پر اس طرح نہیں بیٹھے... ہمیں یہی تربیت دی گئی ہے۔"

"اوہ اچھا... تب تو ٹھیک ہے... ویسے ہم لوگوں میں ایسی کیا خاص بات نظر آ گئی ان صاحب کو جو ہمیں ہیڈ کوارٹر بلا رہے ہیں۔"

"یہ تو آپ کو وہی بتا سکیں گے۔"

اور پھر ہیلی کاپٹر میں خاموشی چھا گئی... ان کا سفر جاری رہا... یہاں تک کہ ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگا... انہیں ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ نظر آ رہے تھے... وہ کچھ اور نیچے ہوئے تو پہاڑوں کے عین درمیان میں بہت نشیب میں ہزاروں آدمی پتھر توڑتے نظر آئے... جب کہ پہاڑوں کی اس وادی کے دوسری طرف ایک چٹان کے اوپر شاندار قسم کا محل نظر آیا... ہیلی کاپٹر کا رخ اسی محل کی طرف تھا... یہاں تک کہ وہ



اس کی چھت پر جا لگا۔

"تم لوگ نیچے اتر جاؤ... چھت پر کھڑے محافظ تمہیں بتائیں گے کہ کیا کرنا ہے۔"

"اچھی بات ہے... آؤ بھئی چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

نیچے اترتے ہوئے خان رحمان بول پڑے:

"کیا پروگرام ہے جمشید... اس طرح تو ہم پھنستے چلے جائیں گے۔"

"ہم بہت پہلے پھنس چکے ہیں خان رحمان... جس جگہ سے ہماری گاڑی پنکچر ہوئی تھی ہم اس جگہ پہنچتے ہی پھنس چکے تھے۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے انداز میں مسکرائے۔

"کیا مطلب جمشید۔"

"جونہی ہم گاڑی سے نکلے... ہمارے خلاف پروگرام شروع ہو گیا... بشیر احمد نے ہمیں بتایا تھا کہ پہاڑوں میں خفیہ کیمرے لگے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر طاقت ور ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی بہت صاف تصویر لیتے ہیں... لہٰذا تصاویر اسی وقت کیمروں نے سکرین پر منتقل کر دی تھیں اور بڑے صاحب نے ان تصاویر کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ آنے والے کون لوگ ہیں، اسی لیے ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہماری نگرانی شروع کر دی گئی... تاکہ ہم کسی سمت سے نکل نہ جائیں..."

انہوں نے دیکھا... محل کی چھت کسی سکول کے گراؤنڈ کی طرح وسیع تھی... اس کی چار دیواری بہت بلند تھی... دیوار کے ساتھ ساتھ مسلح آدمی چوکس کھڑے تھے... رائفلوں کے ذریعے انہیں زینے کی طرف اشارہ کیا... گویا انہیں نیچے جانا تھا... وہ سیڑھیاں اترتے چلے گئے... انہیں حیرت ہو رہی تھی... پہاڑ کے

اوپر اس قدر شان دار محل تعمیر کرنے کے لیے کس قدر مشکلات پیش آئی ہوں گی ... کتنے مزدوروں نے کام کیا ہوگا... کتنا سرمایہ لگا ہوگا... کیا یہ شخص ہمیشہ اس دنیا میں رہے گا۔

آخر سیڑھیاں ختم ہوگئیں... ان کے ساتھ ساتھ مسلسل دیوار سے لگے نگران چوکس کھڑے تھے... گویا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی... جو پہرے داروں سے خالی ہو... پہرے دار انہیں اشارہ کرتے چلے گئے... یہاں تک کہ وہ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ان کے نزدیک ہوتے ہی دروازہ خود بخود کھل گیا...

''یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم کسی کھل جا سم سم والے غار میں داخل ہونے والے ہوں۔'' فاروق کے منہ سے نکلا۔

''شکریہ... تمہاری آواز تو سنائی دی... ورنہ میں تو سمجھا تھا، آج تمہیں سانپ سونگھ گیا ہے...'' محمود مسکرایا۔

''سانپ ارے باپ رے... یار محمود ڈراؤ تو نہ... ویسے یہاں سانپوں کی کیا کمی ہے... ہر طرف ہی سانپ نظر آرہے ہیں۔''

''یار چپ رہو، بُرا مان جائیں گے...'' محمود نے منہ بنایا۔

''کک... کون... کون مان جائیں گے بُرا۔''

''سانپ اور کون؟''

''شش... ہمیں اندر داخل ہونا ہے... دروازہ کھل چکا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے انہیں گھورا۔

''یہ شش... شکریے کا ہے یا کسی اور چیز کا۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''چلو بھائی... بڑے بھائی ناراض ہو جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔



اور وہ کمرے میں داخل ہوگئے... اندر کوئی نہیں تھا... البتہ ٹی وی سکرین پر ایک عجیب و غریب سے حلیے والے شخص کی تصویر نظر آرہی تھی... ان کے اندر داخل ہوتے ہی تصویر کے لب ہلے:

''انسپکٹر جمشید... ان اطراف میں کیسے آنا ہوا؟''

''ہمارا دورہ صرف تفریحی تھی... واپسی میں راستہ بھول گیا... گاڑی پنکچر ہوگئی اور ہوئے بھی ایک ساتھ دو ٹائر پنکچر... بس اس وجہ سے پیدل چلنا پڑا تاکہ گاڑی کے ٹائر بدلنے کی کوئی صورت بن جائے... اس طرح راستہ بھٹک گئے... اور آپ لوگوں کے قابو میں آگئے...'' انسپکٹر جمشید نے صاف اور سیدھی بات بتائی۔

''اب کیا پروگرام ہے...''

''آپ کا مطلب ہے... اپنا پروگرام ہم بتائیں۔''

''تو اور کون بتائے گا۔''

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔''

''تم لوگوں کو معلوم ہو ہی چکا ہے... یہ ایک بیگار کیمپ ہے... لیکن جدید ترین... یہاں جتنے لوگ آئے... ان میں سے صرف چند ایک واپس جانے میں کامیاب ہو سکے... لیکن باہر نکل کر وہ یہاں تک کا راستہ پھر بھی نہ بتا سکے... جو لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے... وہ بھی میرے آدمیوں کی غلطی سے ہوئے... لہٰذا تم اپنا پروگرام بتاؤ۔''

''اگر ہم کہیں کہ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔''

''تو یہ سن کر مجھے حیرت ہوگی... کیونکہ یہ بات تم لوگوں کی فطرت کے خلاف ہوگی... کیا تم یہاں قید لوگوں کو قید میں چھوڑ کر چلے جانا پسند کرو گے۔''

"نہیں۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"مطلب یہ کہ تم یہاں رہنا پسند کرو گے۔"

"مجبوری ہے... ہمیں یہاں اس وقت تک رہنا ہوگا... جب تک کہ ہم ان سب لوگوں کو اس قید سے نجات نہ دلوا دیں۔"

"صاف گوئی اچھی لگی اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم لوگوں کا جواب یہی ہوگا۔"

"ہوں... اب آپ اپنا پروگرام بتائیں۔"

"میرے پاس تم لوگوں کے لیے صرف دو راستے ہیں... ایک یہ کہ تمہیں بھی یہاں کا قیدی بنا لیا جائے اور دوسروں کے ساتھ تم بھی پتھر توڑو... دوسرا راستہ ہے موت!!!"

"کیا مطلب؟" خان رحمان سرد لہجے میں بولے۔

"یعنی تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔"

"بس تو پھر یہ ہم تم پر چھوڑتے ہیں..." انسپکٹر جمشید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" تصویر کے چہرے پر حیرت ابھری۔

"کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں آپ۔"

"یہ تم نے کیا کہا... یہ بات تم ہم پر چھوڑتے ہو... یعنی ہم چاہے تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں چاہے قیدی بنا لیں۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے، اس لیے کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ ہے... اگر تم ہمیں مار ڈالنے کا فیصلہ کر لو تو یہ ضروری نہیں کہ مار ڈالنے میں کامیاب ہی ہو جاؤ..."



"ٹھیک ہے... میں تمہیں قیدی بنا کر رکھوں گا... اگر میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں تو مزہ کیا خاک آئے گا... مزہ تو تب آئے گا جب عالمی شہرت یافتہ لوگ یہاں پتھر توڑتے نظر آئیں گے... وہ رہ رہ کر مریں گے... مر مر کر جییں گے اور جی جی کر مریں گے... اور پھر بھی انہیں موت گلے نہیں لگائے گی... موت ان سے دور بھاگے گی... تب آئے گا مزہ تو... ہاہاہا۔"

"لیکن جناب! آخر آپ کو ہم سے دشمنی کیا ہے۔" فاروق نے غرا کر کہا۔

"کوئی دشمنی نہیں... نہ تم یہاں میرے پروگرام کے تحت آئے ہو... تم جب ان حدود میں داخل ہو گئے... تو میں تمہیں جانے کیسے دیتا... یہاں سے باہر جانے کے بعد تم آرام سے تو بیٹھ نہ جاتے۔"

"آرام سے تو خیر ہم اب بھی نہیں بیٹھیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"نہ بیٹھنا... میرے آدمی غلاموں سے کام لینا جانتے ہیں... آجاؤ بھئی... اب اندر۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

فوراً ہی کمرے میں بیس کے قریب مسلح لوگ آ گئے... انہوں نے چاروں طرف سے انہیں زد پر لے لیا۔

"سب سے پہلے ان کی تلاشی لو... ان کے پاس کوئی موبائل نہ رہ جائے... اگرچہ یہاں موبائل کام ہی نہیں کرتے، لیکن پھر بھی موبائل لے لیے جائیں... اور بھی ان کے پاس کوئی چیز نہ رہ جائے... اور دوسری بات... بڑے بیٹے کی جوتے کی ایڑی سے چاقو بھی نکال لو۔" یہاں تک کہہ کر وہ تصویر والا ایک جھٹکے سے رک گیا۔

"کیا کہا... تو تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔"

"ہاں! کیوں نہیں... بلکہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ پروفیسر داؤد کی مختلف

جیبوں میں جو سفوف وغیرہ ہوتے ہیں، وہ نکال لیے جائیں۔"

"اوہ اچھا۔" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"کیوں... اب ہوا اندزہ کہ مجھے تمہارے بارے میں کیا کچھ معلوم ہے۔"

"ہاں! اندازہ ہوگیا... اور اس کا مطلب ہے... کہ آپ سے مقابلہ آسان نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

وہ ہنس پڑا... پھر بولا:

"بہت جلدی ہمت ہار گئے... میں نے تو تم لوگوں کا بہت نام سنا ہے۔"

"بس! کیا بتائیں... لوگ یونہی بڑھا چڑھا کر باتیں کرنے لگتے ہیں... ورنہ ہم کیا، ہماری بساط کیا۔"

"پروفیسر داؤد کے پاس کوئی چیز نہ رہے اور جوتے کی ایڑی کے علاوہ فاروق کی جیبوں میں کوئی چیز نہ چھوڑنا... اگر تم نے انہیں ان کی چیزوں سے محروم کردیا تو پھر یہ تمہارے مقابلے میں بالکل ناکارہ ہوں گے اور تمہارے آگے پانی بھرتے نظر آئیں گے۔"

"ہائیں... تت... تو آپ لوگ یہاں پانی بھی بھرواتے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اوہو بھائی... سمجھنے کی کوشش کرو... یہ محاورۃً بات کر رہے ہیں۔" محمود جھلا اٹھا۔

"اوہ اچھا! سمجھا... گویا میں..."

فاروق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... عین اس لمحے کمرے کا اندرونی دروازہ زوردار آواز سے کھلا تھا۔



# آواز کا فرق

انہوں نے دیکھا، دروازہ کھلتے ہی ایک نوجوان لڑکی بھڑ بھڑاتے انداز میں اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے اندر داخل ہونے پر پاؤں زور سے زمین پر پٹخے... اور چلانے کے انداز میں بولی:

"یہ سب کیا ہے پاپا۔"

"کیا ہوا میری بچی۔" تصویر کے ہونٹ ہلے۔

"ابھی تک میرے کھلونے نہیں پہنچے۔"

"کھلونے؟" ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

اب ان کی نظریں لڑکی پر جم چکی تھیں... لیکن اس نے ایک بار بھی ان کی طرف نہیں دیکھا تھا... وہ تو بس سکرین کی طرف دیکھے جا رہی تھی... یوں لگتا تھا جیسے اسے ان کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو:

"تمہارے کھلونے آچکے ہیں... تم نے کمرے کی طرف دھیان نہیں دیا... بس سکرین کی طرف دیکھے جا رہی ہو۔"

یہ سن کر اس نے کمرے کا چاروں طرف سے جائزہ لیا، پھر برا سا منہ بنا کر بولی:

"کیا آپ مذاق کر رہے ہیں پاپا۔"

"نہیں بے بی... میں اور تم سے مذاق کروں گا... تم تو میری زندگی ہو... کیا تمہیں کمرے میں یہ لوگ نظر نہیں آ رہے۔" تصویر نے ہنس کر کہا۔

"یہ... یہ تو آدمی ہیں... کھلونے کب ہیں۔"

"آج یہ تمہارا دل بہلائیں گے... تم ان کے ساتھ جو سلوک چاہو، کرو... یہ کچھ نہیں کہیں گے... کل تمہارے تمام کھلونے تمہارے سامنے ڈھیر کر دیے جائیں گے۔"

"سوال تو یہ ہے پاپا... آج کیوں نہیں آئے کھلونے۔"

"انہی لوگوں کی وجہ سے۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی غصیلے انداز میں چونکی۔

"ہاں بے بی... گاڑی تمہارے کھلونے لینے جا رہی تھی... راستے میں مل گئے یہ لوگ اور پھر انہیں یہاں لانا پڑ گیا... یہ ہمارے لیے رکاوٹ بن گئے تھے... اب اس رکاوٹ کو دور کرنا ہوگا... پھر کھلونے سے کھیلنا۔"

"او کے پاپا... ان لوگوں کو میرے کمرے میں بھجوا دیں... خوب دیکھ بھال کر۔"

"تم فکر نہ کرو... چلو... انہیں خالی کر دو بالکل۔"

اور پھر ان سے ہر چیز لے لی گئی... محمود کے جوتے کی ایڑی سے چاقو نکال لیا گیا... فاروق کی جیبوں میں بھی کوئی چیز نہ رہنے دی گئی... پروفیسر داؤد کو ان کے تمام سفوف وغیرہ سے محروم کر دیا گیا... پستول اور موبائل بھی سب سے لے لیے گئے... یہ سب کرنے کے بعد انہیں ایک سکرین کے سامنے گزارا گیا... اس کے بعد کہا گیا:



"اب ان کے پاس... کہنے والے کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... کمرے میں ایک باریک سی آواز گونجی تھی... اس آواز کو سن کر وہ سب بری طرح اچھلے...

"یہ... یہ کیا..." ان میں سے کئی کے منہ سے نکلا۔

اس وقت تک تصویر سکرین سے غائب ہو چکی تھی اور لڑکی بھی کمرے سے نکل چکی تھی... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... ان کے چہروں پر حیرت کی بجلیاں تڑپتی نظر آ رہی تھیں:

"حیرت ہے... ہم ان کی تمام چیزیں لے چکے ہیں... پھر وہ کیا چیز ہے جو ان میں سے کسی کے پاس رہ گئی ہے..." ان میں سے ایک نے کہا۔

"ان کی پھر سے تلاشی لی جائے۔" ایک دوسرا بولا۔

"او کے۔" کئی آوازیں ابھریں۔

ایک بار پھر ان سب کی خوب اچھی طرح تلاشی لی گئی... لیکن کوئی چیز برآمد نہ ہو سکی...

"میں ایک بار پھر بٹن دباتا ہوں۔"

اس نے کہا جسے سر کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا... فوراً ہی ایک بار پھر وہی آواز کمرے میں ابھری:

"ان کے پاس کچھ ہے۔" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"تب پھر انہیں ایک بار پھر سکرین سے گزارا جائے۔" ایک نے مشورہ دیا۔

"ہاں! اب یہی کرنا ہوگا۔"

دیوار میں لگی سکرین پھر سے روشن ہو گئی... انہیں ایک ایک کر کے سکرین

کے آگے سے گزارا گیا... وہ سب گزر گئے اور کچھ نہ ہوا۔

"اُف! یہ کیا معاملہ ہے... میری جیب والا آلہ کہ رہا ہے کہ ان میں سے ایک کے پاس کوئی چیز ہے... جب کہ سکرین کسی چیز کو ظاہر نہیں کر رہی... اب کیا کیا جائے۔"

"مسٹر ڈونگا کو بلایا جائے۔" سر نے کہا۔

"او کے سر۔"

ان میں سے ایک نے موبائل پر کسی کے نمبر ڈائل کیے... اور سلسلہ ملنے پر بولا:

"باس والے کمرے میں تمہاری ضرورت ہے... فوراً آؤ۔" سر نے سخت لہجے میں کہا۔

"ابھی آیا سر۔" گھبرائی ہوئی آواز میں کہا گیا۔

پھر جلد ہی ایک تنک تنک سا آدمی اندر آ گیا... اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے:

"مسٹر ڈونگا... یہ کیا مسئلہ ہے۔"

"سر... آپ کا اشارہ کس مسئلے کی طرف ہے۔"

"باس کا حکم ہے... یہ لوگ خطرناک ہیں، ان کے پاس خطرناک چیزیں ہوتی ہیں... جب تک ہم ان سے وہ تمام چیزیں لے نہیں لیتے، اس وقت تک ان کی طرف سے خطرہ رہے گا... ہم نے ان کی اچھی طرح تلاشی لی... اور تمام چیزیں لے لیں... اب انہیں سکرین کے سامنے سے گزارا گیا... سکرین نے کوئی اشارہ نہیں دیا... لیکن جب میں نے اپنی جیب والے آلے کو آن کیا تو اس نے اشارہ دے دیا۔"

"کیا مطلب؟" ڈونگا چونکا۔



"مطلب یہ کہ ان کے پاس کوئی چیز ہے... لیکن تلاشی لینے پر وہ چیز نہیں ملتی... اس لیے تمہیں بلایا گیا ہے... اُلو کے پٹھے۔"

ڈونگے کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا... آخر اس نے خود پر قابو پا لیا اور بولا:

"انہیں میرے سامنے سکرین سے گزاریں۔"

"اچھا۔" سر نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

پھر انہیں ایک ایک کر کے سکرین کے سامنے سے گزارا گیا... کوئی آواز سنائی نہ دی...

"ٹھیک ہے... اب یہ باری باری آپ کے نزدیک سے گزریں گے... آپ ہر ایک کی باری پر بٹن دبائیں گے اور آف کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ اس کے پاس سے گزرنے لگے... ہر بار آواز گونجتی رہی... آخر وہ سب گزر گئے:

"اب بکو... ڈونگا۔"

"جی... جی... ان میں سے صرف ایک کے پاس کوئی چیز ہے۔"

"لیکن آواز تو سب کی باری میں آتی ہے۔"

"وہ اس لیے کہ یہ سب کمرے میں موجود ہیں... آپ انہیں کمرے سے نکال دیں اور ایک ایک کو اندر بلا کر بٹن دبائیں... ساتھ میں کمرے میں داخل ہونے والے کو نکالتے بھی رہیں... اس طرح کرنے سے آواز صرف ایک کی باری پر ابھرے گی... اور وہ ایک یہ ہے۔" اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف اشارہ کیا۔

"اور تم یہ کس طرح کہ سکتے ہو... جب کہ یہاں موجود ہوتے ہوئے آواز

ہر ایک کی باری میں ابھری ہے۔"

"آواز کا فرق ہے... باقیوں کی باری میں آواز قدرے ہلکی تھی اور اس کی باری میں کچھ تیز تھی... بہرحال آپ تجربہ کر لیں۔"

اب انہیں کمرے سے نکالا گیا... اور ایک ایک کو اندر بلایا گیا... پھر دوسرے کو اندر بلانے سے پہلے اسے باہر نکالا جاتا رہا... اور پھر آواز صرف انسپکٹر جمشید کی باری میں ابھری:

"ڈونگا نے ٹھیک کہا تھا... صرف انسپکٹر جمشید کے پاس کچھ ہے۔"

"کک... کیا؟" مارے حیرت کے ڈونگا کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا؟" سر نے اسے گھورا۔

"شاگی سر... کیا یہ واقعی انسپکٹر جمشید ہیں۔" ڈونگا نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"باس نے یہی بتایا ہے... لیکن تم اس قدر عجیب انداز میں کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"میں نے ان کا بہت نام سنا ہے... حیرت اس بات پر ہے کہ یہ یہاں کیسے آ پھنسے۔"

"یہاں تو اچھے اچھے آ پھنستے ہیں... تم بھی پھنس گئے تھے۔"

"میری قسمت خراب تھی کہ ان اطراف میں مرغابیوں کے آثار دیکھ کر شکار کھیلنے نکل آیا۔" ڈونگا بولا۔

"اور خود شکار ہو گیا۔ ہاہاہا... ہاہاہا۔" سر شاگی لگا قہقہے لگانے۔

"اوہ ہاں... واقعی... اچھا تو ڈونگا... اب انسپکٹر جمشید کے پاس سے وہ چیز برآمد کر کے دکھاؤ... جو اس کے پاس ہے۔"



"پہلے ان کے کپڑے تبدیل کرا لیں۔" ڈونگا نے کہا۔

"اوہ اچھا... تمہارا مطلب ہے، شاید وہ چیز اس کے کپڑوں میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔" سر شاگی نے جلدی سے کہا۔

"جی ہاں سر... یہی بات ہے۔"

"اچھی بات ہے... تم میں سے کوئی انسپکٹر جمشید کو اپنے کپڑے لا دے۔"

"میں ابھی لاتا ہوں سر... یہ میرے قد کے برابر ہیں۔" ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

اور پھر انہیں کپڑے دے دیے گئے... اور غسل خانے کی طرف اشارہ کر دیا گیا... ساتھ ہی سر شاگی نے کہا:

"اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی... تو ناکامی آڑے آئے گی۔"

"ابھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

"کیا کہا... ابھی نہیں۔"

"ہاں! ابھی نہیں۔"

"مطلب یہ کہ تم ابھی کوئی چال نہیں چلو گے۔"

"یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"گویا چال چلو گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں... جب بھی موقع ملا، چال چلیں گے ہم لوگ۔"

"دیکھا جائے گا... یہاں سے نکل کر دکھاؤ تو مانیں۔"

"اللہ نے چاہا تو۔"

"او کے او کے۔" سر شاگی فوراً بولا۔

اور پھر انسپکٹر جمشید کپڑے لے کر غسل خانے میں چلے گئے... باہر نکل کر

انہوں نے اپنے کپڑے ان کی طرف اچھال دیے:

''اب انسپکٹر جمشید کو پھر سے سکرین کے پاس سے گزارا جائے۔'' ڈونگا نے بلند آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔''

جونہی انسپکٹر جمشید کو سکرین کے سامنے سے لایا گیا... وہ آواز پھر سنائی دی... آواز کو سن کر وہ بری طرح چونکے:

☆☆☆



## خون کی تحریر

چند لمحے تک وہ انسپکٹر جمشید کو گھورتے رہے... آخر شاگی نے کہا:

''اس کا مطلب ہے، انسپکٹر جمشید نے وہ چیز اب اس لباس میں رکھ دی ہے... لہٰذا ان کی اس لباس میں بھی تلاشی لی جائے۔''

ان کی پھر سے تلاشی لی گئی... لیکن کچھ نہ ملا:

''یہ... یہ کیسے ممکن ہے۔'' سر شاگی نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ ایسے ممکن ہے سر شاگی... کہ انسپکٹر جمشید نے اپنے جسم میں کوئی چیز چھپا رکھی ہے...'' ڈونگا بول اٹھا۔

''اور ہم اس چیز کو کیسے تلاش کر سکتے ہیں۔'' سر شاگی گھومتے ہوئے انداز میں بولا۔

''میرے پاس ایک آلہ ہے... اس آلے کو اس کے جسم سے مس کرنا ہو گا... یعنی سارے جسم پر آلہ پھیرا جائے گا... اگر آواز آجاتی ہے تو پھر وہ چیز ضرور اس

کے جسم میں ہے۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... تم وہ آلہ لے آؤ... جلدی کرو ذلیل... الّو۔"

"جی... جی... میں ابھی لایا۔" ڈونگا نے بدحواس ہو کر کہا اور دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"یہ کون ہے بھلا؟" فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"یہ... یہ ایک بہت اچھا سائنس دان ہے..."

"ہمارے ملک میں جتنے بہت اچھے سائنس دان ہیں... ہم ان سب کے نام جانتے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"جب یہاں لوگ لے آئے جاتے ہیں تو ان کے نام تبدیل کر دیے جاتے ہیں۔" شاگی ہنسا۔

نہیں یاد آ گیا... راول نے بتایا تھا کہ اس کا بچپن کا نام بشیر احمد ہے... لیکن یہاں اس کا نام راول ہے:

"اوہ... تو ان کا اصل نام کیا ہے۔"

"شاہان فلکی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

آج سے آٹھ سال پہلے انہوں نے شاہان فلکی کی گم شدگی کی خبر پڑھی تھی...

"تو یہ وہ ہیں... اور تم انہیں گدھے، الّو اور ذلیل کہہ کر بلا رہے تھے... کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا..."

"یہاں ہر انسان کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ انسان نہیں، حیوان ہے... بہت جلد تم بھی خود کو حیوان سمجھنے لگو گے۔"



"ایسا تو خیر نہیں ہو سکے گا۔" فاروق تیز لہجے میں گویا ہوا۔

"بہت جلد محسوس کرنے لگو گے۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... اور پھر ڈونگا اندر داخل ہوا... اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا آلہ تھا:

"اجازت ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!" شاگی نے سر کو جھٹکا دیا۔

ڈونگا نے اپنا آلہ انسپکٹر جمشید کے جسم پر پھیرنا شروع کیا... سب لوگ دم سادھے کھڑے تھے... آلہ پورے جسم پر پھیرا گیا... لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"یہ کیا... کوئی آواز سنائی نہیں دی... اس کا کیا مطلب ہوا؟" شاگی نے غرانے کے انداز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ انسپکٹر جمشید کے جسم میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے... جو بھی ہے... ان کپڑوں میں ہے... کپڑے تبدیل کرائے جائیں اور ان کپڑوں کو سکرین کے سامنے سے گزارا جائے۔"

"اچھی بات ہے۔"

ایسا بھی کیا گیا... آواز پھر بھی آئی... اب تو سب سر پکڑ کر بیٹھ گئے... آخر شاگی نے چیخ کر کہا:

"ایسا کیوں ہے ڈونگے بونگے... جواب دو... ورنہ میں تمہیں یہیں کھڑے گھاٹ گولی مار دوں گا۔"

"نن نہیں۔" ڈونگا چلا اٹھا۔

"کیوں نہیں... آخر ہم یہ بات کیوں معلوم نہیں کر سکے اب تک کہ انسپکٹر جمشید کے پاس کوئی چیز کہاں ہے۔"

"آپ مجھے مہلت دیں... بس پندرہ منٹ کی مہلت۔"

"ٹھیک ہے... تمہیں مہلت دی... اور یہ آخری موقع ہے۔"

"نن... نہیں۔"

"اس کے بعد گولی۔"

"نن نہیں۔" وہ گڑگڑایا۔

"جاؤ... ورنہ پندرہ منٹ یہیں پورے ہو جائیں گے۔"

وہ بدحواسی کے عالم میں باہر نکل گیا... جلد ہی واپسی ہوئی... اس کے ہاتھوں میں چند اور آلات تھے... ان آلات کو اس نے انسپکٹر جمشید کے جسم سے پھیرا... آواز پھر آ گئی:

"اُف مالک... تلاشی لینے پر کوئی چیز نہیں ملتی... اور آواز آتی ہے... یہ... یہ کیسے ممکن ہے۔" ڈونگا تھر تھر کانپتی آواز میں بولا۔

"کیسے ممکن ہے کے بچے... پندرہ منٹ پورے ہونے کو ہیں۔"

"نن نہیں سر شاگی نہیں... میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

"الو نہیں کے... کیا میرا قصور ہے۔" شاگی وحشیانہ ہنسی ہنسا۔

"نن نہیں... آپ کا کیوں ہوتا... آپ کا تو کوئی قصور ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اچھا بس! ہو گئے پندرہ منٹ... یہ لو... دوسری دنیا کو سدھار جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے شاگی نے پستول ڈونگا کی طرف تان دی:

"نن نہیں... سر شاگی... میرے ان بچوں کا خیال کرو... جو میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"انہیں انتظار کرنے دو... انہیں کیا پتا چلے گا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں ہو۔"



"لیکن اب تک میں اس آس پر جیتا رہا ہوں کہ کبھی تو یہاں سے رہائی ملے گی... اور میں ان کے پاس جا سکوں گا۔"

"بے وقوف! یہاں سے آج تک کوئی جا سکا ہے کہ تم جاؤ گے۔" شاگی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"مجھ پر رحم کریں... سر شاگی... میں نے آٹھ سال تک آپ لوگوں کی خدمات انجام دی ہیں سائنسی آلات نصب کیے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے... لیکن ہم جو فیصلہ کر لیتے ہیں... اس سے ہٹتے نہیں... لہٰذا تم تو جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی نظر آئی... ادھر ڈونگا چلایا۔

"نہیں... نہیں۔"

ایسے میں انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بول اٹھے:

"ایک منٹ سر شاگی۔"

شاگی کا ہاتھ رک گیا... اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا:

"ڈونگا کا کوئی قصور نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ چیز میرے جوتے میں ہے... جس کی وجہ سے آواز سنائی دیتی ہے... لیکن آلات اسے تلاش نہیں کر سکتے... یہ بھی اس کی خاص بات ہے۔"

"اوہ... لل... لیکن... تم نے یہ بات کیوں بتا دی... تمہیں ڈونگا سے کیا ہمدردی... یہ تمہارا کیا لگتا ہے۔"

"یہ ہمارے کچھ نہیں لگتے... لیکن انسان تو ہیں۔"

"کیا تم اس چیز سے کوئی خاص کام لے سکتے تھے۔"

"ہاں! بہت خاص... اس سے میں تم لوگوں کو آناً فاناً میں درہم برہم کر سکتا

تھا۔"

"اور پھر بھی تم نے بتا دیا... حالانکہ اب تم بھی اس کی طرح یہاں غلام بن کر رہو گے۔"

"کوئی پروا نہیں۔"

"اچھی بات ہے... میں ڈونگا کو چھوڑ دیتا ہوں... وہ چیز نکال کر مجھے دے دو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جوتے میں سے ایک ننھا سا بٹن نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔

"اب یہ کیسے معلوم ہو... کہ یہ وہی چیز ہے۔"

"اسے منہ میں رکھ کر چبا لو... پھر تم یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں بچو گے کہ چبانے سے کیا ہوا ہے۔"

"خیر... اب جب کہ تمہارے پاس یہ چیز نہیں رہی... سکرین کے آگے گزرنے پر آواز نہیں آنی چاہیے۔" سرشاگی بولا۔

"میں نے کب کہا کہ آنی چاہیے۔"

"تب پھر سکرین کے سامنے سے گزر جاؤ۔"

وہ سکرین کے سامنے سے گزر گئے... اس مرتبہ کوئی آواز سنائی نہ دی:

"چلو! یہ جھگڑا تو ہوا ختم... اب ہو جائے بات اس آلے کی... یہ کس طرح تمہارے کام آ سکتا تھا۔" سرشاگی بولا۔

"یہ دراصل آواز کیچ کرنے کا آلہ ہے... باریک ترین آواز بھی اس کے ذریعے سنی جا سکتی ہے... تقریباً 20 کلومیٹر کے اندر کی آوازیں۔"



"سنانا ذرا۔" شاگی نے حیران ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے بٹن میں لگی ایک پن کو دبا دیا... اور اسے شاگی کے کان کی لو پر رکھ دیا... آلہ لو سے چپک گیا اور اب وہ ایک بڑے تل کی مانند نظر آ رہا تھا... ساتھ ہی شاگی کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"بھئی واہ... اس کے ذریعے تو میں اپنے غلاموں کی بات چیت بھی صاف سن رہا ہوں... گویا یہ ہمارے خلاف کوئی بات کریں گے تو ہم سن سکیں گے۔" اس کے چہرے پر یہ کہتے وقت خوشی پھیل گئی... پھر اس نے کہا۔

"ان لوگوں کو لے جاؤ... آج سے یہ بھی ہمارے غلام ہیں... انہیں چوبیس گھنٹے بیڑیوں میں رکھا جائے گا... کیونکہ سنا ہے، یہ بہت خطرناک ہیں۔"

"فکر نہ کریں سرشاگی... یہ ہمارے بہت خدمت گار غلام ثابت ہوں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

اور پھر انہیں باہر لے آیا گیا... پندرہ منٹ تک چٹانوں کے درمیان چلنے کے بعد وہ لکڑی کے بنے بے شمار گھروں تک پہنچ گئے... ایک مکان کے سامنے رک کر ان سے کہا گیا:

"تم چھ کے لیے یہ مکان کافی ہے... دو کمرے ہیں اس میں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"صبح آٹھ بجے سب لوگوں کو گھروں سے نکل میدان میں جمع ہونا پڑتا ہے... وہاں سب کی حاضری لی جاتی ہے... اس کے بعد سورج ڈوبنے تک پتھر توڑے جاتے ہیں... صبح ناشتے میں چائے کی پیالی اور ایک ایک روٹی ملے گی... سورج غروب ہونے پر ایک ایک روٹی دال کے ساتھ ملے گی... کیا خیال ہے... تم لوگ تو بہت پر تکلف کھانوں کے عادی ہو گے... یہ کھانے حلق سے اتر جائیں

گے یا نہیں۔"

"اتر جائے گا... ہم ہر طرح کا کھانا کھا لیتے ہیں اور ہر قسم کے حالات میں خوش رہ لیتے ہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے... اب تم جانو... تمہارا کام جانے... اتنا بتائے دیتا ہوں... رات کے وقت بھی پورا کیمپ ہماری نظروں میں ہوتا ہے... فرار کی کوشش بے کار ہوگی... اور گولیوں سے چھلنی ہونا پڑے گا... آج تک یہاں سے کوئی بھی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا۔"

"جس جگہ راول شکار کھیلتا ہے... وہاں پتھر پر ایک خون کی تحریر موجود ہے... وہاں تک کوئی کیسے پہنچ گیا تھا پھر؟"

"وہ علاقہ بھی کیمپ میں شامل ہے... وہ کیمپ سے باہر نہیں نکل سکا تھا..."

"اچھی بات ہے... ہمارا مسئلہ اپنا نہیں... ان سب کا ہے... جو یہاں قید ہیں..."

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر ہم اکیلے جانا چاہیں تو بہت آسانی سے جا سکتے ہیں... لیکن مسئلہ ہے... ان سب کا... جو یہاں غلام ہیں... ہم جائیں گے تو ان سب کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"کوشش کرتے رہو..." شاگی ہنسا۔ پھر اس نے کہا۔

"چلو ڈونگے... اپنے ڈربے کی طرف..."

عین اس لمحے فرزانہ تڑ سے گری اور ساکت ہوگئی:



☆☆☆

# فرزانہ۔۔ کیا کہا تم نے

ان سب نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا:

"کیا ہوا فرزانہ... میری بچی۔" انسپکٹر جمشید پریشان ہوگئے۔ باقی لوگ بھی اس پر جھک گئے۔

"کچھ نہیں ہوا... خوف کی وجہ سے پریشان ہوگئی ہوگی... اٹھا کر اپنے مکان میں لے جاؤ..." شاگی نے کہا اور برا سا منہ بناتے ہوئے ڈونگے کی طرف مڑا۔

"اب تم کیوں بت بنے کھڑے ہو... چلتے کیوں نہیں۔"

"مم... مم... ہپ۔" ڈونگا کے منہ سے نکلا۔

"مم... مم... ہپ کیا؟" شاگی جھلا اٹھا۔

"کک... کچھ نہیں..." یہ کہ کر اس نے قدم اٹھا دیے۔

انہوں نے فرزانہ کو اٹھایا اور مکان کے اندر لے آئے:

"مجھے حیرت ہو رہی ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے پروفیسر صاحب... حیرت صحت کے لیے مفید ہے..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا ہمیں... پہلے فرزانہ کو ہوش میں لانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔"

"ضرور کرنی چاہیے... لیکن ہمارے پاس ان لوگوں نے کوئی دوائی نہیں چھوڑی۔"

"خیر کوئی بات نہیں... آجائے گی ہوش میں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت فرزانہ نے آنکھیں کھول دیں...

"مم... میں... میں کہاں ہوں... کیا ہوا تھا مجھے۔" اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"تم اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں... ہم اس وقت اس بے گار کیمپ کے لکڑی مکان میں ہیں... یہ دو چھوٹے کمروں کا مکان ہے... گویا اب جب تک ہم یہاں ہیں... ہمیں اس مکان میں رہنا ہوگا۔"

"اوہ... اوہ۔"

"ویسے تمہاری بے ہوشی پر ہم سب بھی کو حیرت ہے۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں خود حیران ہوں انکل۔" وہ غمگین انداز میں مسکرائی۔

"کیا ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔" فاروق کے انداز میں حسرت سی تھی۔

"اللہ نے چاہا تو۔" وہ بولے۔

پھر وہ آرام کرنے کے بعد لیٹ گئے... لکڑی کے فرش پر سونا ان کے



لیے کوئی مشکل نہیں تھا... اس سے بھی زیادہ سخت مشکلات کا سامنا انہیں کرنا پڑا تھا... اور پھر نہ جانے کب انہیں نیند آگئی۔

آنکھ کھلی تو انسپکٹر جمشید نے انہیں جھنجھوڑ کر جگا رہے تھے:

"نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔" وہ بولے۔

ان سب نے جلدی جلدی وضو کیا اور صبح کی نماز ادا کی... سات بجے ہی تھے کہ ایک بہت تیز آواز والا الارم بج اٹھا... ساتھ ہی باہر شور سنائی دینے لگا گویا لوگ لکڑی کے ان مکانوں سے جلدی جلدی نکل رہے تھے... وہ بھی نکل آئے... اور اس سمت میں چل پڑے... جس طرف سب چل رہے تھے...

عمودی پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑی وادی میں سب لوگ جمع ہو رہے تھے... وہاں کئی لوگوں نے ان سب کی حاضری شروع کی... وہ رجسٹروں میں ان کے نام پڑھ پڑھ کر پکار رہے تھے... وہ حاضر جناب... حاضر جناب کہہ رہے تھے۔

سب سے آخر میں ان کا نام پکارا گیا... حاضری لینے والے اگر کئی نہ ہوتے تو شاید اس کام میں کئی گھنٹے لگ جاتے... پھر بھی ایک گھنٹا لگ گیا اور اس ایک گھنٹے کے دوران وہ سب کے سب کھڑے رہے۔ حاضری کے بعد ناشتے کا پروگرام شروع ہوا... سب لوگ خود ہی قطاروں میں کھڑے ہو گئے تھے... اور ہر قطار کے سرے سے ناشتے کی تقسیم کا عمل شروع کیا گیا تھا... بڑی بڑی پلیٹوں میں دال ڈال دی گئی تھی... اور ٹوکروں میں روٹیاں رکھی گئی تھیں... ہر ایک کو بالٹی میں سے ایک چمچہ دال اور ٹوکرے میں سے ایک روٹی دے دی جاتی... دال روٹی پر بھی رکھی جا رہی تھی، اس ناشتے کے لیے بھی سب لوگ بڑی طرح بے چین تھے... ہر کوئی یہ چاہتا تھا... اسے ناشتا پہلے مل جائے...

یہ لوگ اپنی لائن کے سب سے آخر میں پرسکون انداز میں کھڑے رہے، آخر ان کی بھی باری آگئی... انہوں نے بھی اپنے حصے کا ناشتا لے لیا... پروفیسر داؤد اور خان رحمان تو لگے منہ بنانے... جب کہ انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے ناشتا کرنے لگے... روٹی اور دال سے فارغ ہونے ہوئے تو سب کو ایک ایک کپ چائے کا دیا گیا...

دال روٹی اور چائے... تینوں چیزیں بدمزہ تھیں... لیکن ان کو اس طرح کھایا اور پیا گیا جیسے وہ انتہائی لذیذ ترین چیز ہوں۔

اس کے بعد پتھر توڑنے کا کام شروع ہوا... سب لوگ اپنے اپنے ہتھوڑے لے کر پتھروں پر چل پڑے... انہیں بھی ہتھوڑے دے دیے گئے...

اب انہوں نے یہ کام کیا کیا تھا... بہت جلد ہی تھک گئے... سب سے پہلے پروفیسر داؤد کے ہاتھ سے ہتھوڑا چھوٹ گیا۔

فوراً ہی سروں پر کھڑے نگرانوں میں سے ایک ان کی طرف لپکا اور چلایا:

''او بوڑھے... ہتھوڑا اٹھا...'' ساتھ ہی شڑاپ سے ایک کوڑا ان کی کمر کی طرف آیا... لیکن وہ ان کی کمر کو نہ چھو سکا... بلکہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ پر لپٹتا چلا گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' کوڑے مارنے والا گرجا۔

''نئے آئے ہیں جناب! یہاں کے آداب نہیں جانتے۔'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

''یہ میرا کوڑا آداب سکھائے گا تم لوگوں کو۔''

''تب پھر ادھر آجائیے نا... آداب سکھانے کے لیے۔'' یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے کوڑے کو ایک جھٹکا مارا۔ کوڑے والا ہوا میں اڑتا ہوا ان کے نزدیک آگرا:



''اب فرمائیے۔''

ادھر کوڑے والے کو سانپ سونگھ گیا تھا... وہ جان چکا تھا کہ مقابلے پر کوئی عام آدمی نہیں ہے... تاہم اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا اور چلایا:

''جگو... راگو... شابی... فوراً ادھر آجاؤ... ان لوگوں کے دماغ درست کرنے کے لیے۔''

فوراً ہی کئی کوڑوں والے ان کی طرف دوڑ پڑے... آن کی آن میں وہ ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔

''ہاں فانٹے... کیا بات ہے۔''

''ان لوگوں کو ذرا بہادری دکھانے کی سوجھی ہے... سنا ہے... نئے آئے ہیں... ان کی بہادری نکالنا ہوگی۔''

''ابھی لو... یہ کیا مشکل ہے۔''

انہوں نے کوڑے نیچے گرا دیے... اور کمر سے لٹکے ڈنڈے ہاتھوں میں لے لیے... کوڑے گرانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نزدیک سے کوڑے کارآمد ثابت نہ ہوتے... پہلے تو انہوں نے جھکائی دے کر ڈنڈے کا وار خالی دیا، پھر اس کی کمر پر ایک دھپ رسید کر دیا... وہ اندھے منہ گرا... انہوں نے فوراً کوڑا اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور پھر جو کوڑے کو انہوں نے جھٹکا مارا... وہ اونچا اچھلا اور دور جا گرا... اس کا سر پھٹا اور خون ابلتے دیکھ کر سب لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... شاید اس وادی میں اس قسم کا منظر پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

انہیں حیرت میں گم دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے دوسرے پر ہاتھ چھوڑ دیا... ان کا الٹا ہاتھ اس کی گردن پر کیا پڑا کہ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔

اتنی دیر میں خان رحمان حرکت میں آچکے تھے... انہوں نے تیسرے کو

دونوں ہاتھ پر اٹھایا اور پتھریلی زمین پر پٹخ دیا۔ اس کی چیخ ہولناک تھی... دراصل پہلے کے انجام نے ان پر اس قدر بوکھلاہٹ طاری کر دی تھی کہ وہ سنبھل ہی نہ سکے اور نہ اپنا بچاؤ کر سکے... ادھر حالات ایسے تھے کہ انسپکٹر جمشید بہادری دکھانے کے چکر میں انہیں کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے... لہٰذا تابڑ توڑ وار کرتے چلے گئے...

آن کی آن میں چاروں کوڑے والے ساکت نظر آئے... اب تین چار ہزار لوگ پتھر توڑنا بھول چکے تھے... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان چند افراد کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ اس دنیا کی نہیں... کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں... پھر ایک آواز سنائی دی:

"ان لوگوں پر ٹوٹ پڑو... ان کی تکہ بوٹی کر دو۔"

یہ آواز تھی اس لڑکی کی... جو ان کے ہوتے ہوئے باس والے کمرے میں آ گئی تھی... اور جو اسے ڈیڈ کہہ رہی تھی... گویا یہ باس کی لڑکی تھی۔ اس کی آواز کے ساتھ ہی پہاڑوں کی بلندیوں پر کھڑے گن مین نیچے کی طرف چھلانگیں لگاتے نظر آئے... اب ظاہر ہے، وہ ان کی طرف کا رخ کر رہے تھے:

"ہم نہتے ہیں جمشید اور ان سب کے پاس رائفلیں ہیں... اور یہ چاروں طرف سے آ رہے ہیں... ہیں بھی بلندی پر اور یہاں آس پاس کسی کوڑے والے کے پاس کوئی رائفل نہیں ہے۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"کوئی پروا نہیں... ان لوگوں کو آ لینے دو... جنگ کیے بغیر ہم یہاں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"اچھی بات ہے جمشید... اب ہم پتھروں سے کام لیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... اٹھا لو پتھر۔"



"لیکن بھئی... وہ اونچائی پر ہیں... اگر ہم اونچائی پر ہوتے اور وہ نیچے... تب ہمارے پتھر ان تک پہنچ سکتے تھے۔" پروفیسر داؤد نے انکار میں سر ہلایا۔

"تب پھر... آپ کیا کہتے ہیں...

"جب یہ ہمیں لا رہے تھے... اس وقت میں نے راستے میں ایک دڑاڑ دیکھی تھی... اگر ہم اس میں پناہ لے لیں تو یہ نزدیک آنے سے پہلے ہم پر فائرنگ نہیں کر سکیں گے... اور نزدیک آنے پر تو ہم بھی اپنے پتھر ان پر آزما ہی سکیں گے۔"

"بہت خوب پروفیسر صاحب۔" خان رحمان اور انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

اور پھر انہوں نے پروفیسر داؤد کی قیادت میں دڑاڑ کی طرف دوڑ لگا دی... انہیں کون روکتا... پانچ کوڑوں والے ساکت پڑے تھے... ادھر ادھر جو دوسرے تھے... انہیں پہلے ہی سانپ سونگھ چکا تھا... وہ بھی گویا رائفلوں والوں کا انتظار کر رہے تھے...

وہ دوڑتے چلے گئے... یہاں تک کہ دڑاڑ میں اتر گئے... وہ واقعی اس لحاظ سے محفوظ ترین جگہ تھی کہ نزدیک آئے بغیر ان کا نشانہ لیا ہی نہیں جا سکتا تھا... ساتھ ہی انہوں نے اپنے آس پاس پتھروں کا ذخیرہ کر لیا... اور لگے رائفلوں والوں کا انتظار کرنے... کبھی کبھی وہ سر ابھار کر دیکھ بھی رہے تھے... اور پھر جونہی رائفلوں والے ان کی زد پر آئے... انہوں نے پتھر برسانے شروع کر دیے... ان کی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں... اب وہ پوزیشن لینے پر مجبور ہو گئے... پتھروں کی اوٹ لیتے چلے گئے... اب ادھر سے فائرنگ شروع ہو گئی... ادھر سے پتھر باری...

یہ مقابلہ کافی دیر جاری رہا... دونوں طرف کا کوئی نقصان نہ ہوا... ایسے میں انہوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی:

"جمشید... اب کیا ہو گا۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"وہی ہوگا... جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا... ہمیں ایک عدد رائفل کی شدید ضرورت ہے... خان رحمان... میں جا رہا ہوں... رائفل لینے۔"

"کیا کہتے ہو جمشید... ادھر سے گولیاں برس رہی ہیں۔"

"گولیوں کی بارش کے باوجود ہمیں رائفل حاصل کرنے ہوگی... ورنہ ہم ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"کک... کیوں نہیں بچ سکیں گے۔" فرزانہ چلا اٹھی۔

"کیا مطلب... فرزانہ... کیا کہا تم نے۔"

"ہم ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے بچ سکتے ہیں... ادھر دیکھیے۔"

فرزانہ کے جملے نے ان سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا اور پھر ان کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت نظر آئی:

☆☆☆



# ہم زندہ ہیں

دراڑ میں انہیں ایک اور گہری دراڑ نظر آئی تھی اور وہ کافی نیچے کی طرف تھی... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا، اس میں اترتے چلے گئے... اب وہ ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے بالکل محفوظ تھے... ایسے میں انہوں نے پھر فرزانہ کی آواز سنی:

"اوہو... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

"بہت تیز رفتاری سے دیکھ رہی ہو..." محمود مسکرایا۔

"کیا کیا جائے، مجبوری ہے، حالات ہی ایسے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

اور پھر وہ دراڑ میں آگے ہی آگے چلتے چلے گئے...

"کیا خیال ہے... ہم یہاں کیوں رکیں... ہوسکتا ہے، یہ دراڑ کسی محفوظ جگہ جا نکلتی ہو۔" خان رحمان بولے۔

"ٹھیک ہے... اب اس دراڑ کو آخر تک دیکھ ہی لیں۔"

وہ چلتے رہے... آخر انہیں آسمان نظر آ گیا... اور اس کے ساتھ ہی انہیں

ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی... وہ گھبرا گئے... اوپر دیکھا ہی تھا کہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی... گویا وہ جان گئے تھے کہ اب وہ اس طرف سے باہر نکلیں گے... ظاہر ہے، یہ ساری جگہ ان کی بہت اچھی طرح دیکھی بھالی تھی...

"اب... اب کیا کیا جائے... یہ دڑاڑ تو بن جائے گی ہماری قبر... وہ ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیں گے... یا دڑاڑ کے دونوں طرف مورچے سنبھال لیں گے... ہم بھوکے پیاسے آخر کب تک اندر رہ سکیں گے... یہ وہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے پاس رائفلیں نہیں ہیں۔"

"ہوں... ہم بہت برے پھنس گئے ہیں... اس سے تو بہتر تھا، باہر رہ کر جنگ جاری رکھتے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"ہمیں کسی نہ کسی طرح ایک عدد رائفل حاصل کرنا ہوگی، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں... صرف ایک رائفل سے انقلاب برپا کر سکتے ہیں... موجودہ حالات کی کایا پلیٹ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

"سوال تو یہی ہے ابا جان... آخر ہم رائفل کس طرح حاصل کریں۔" محمود کے لہجے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"فرزانہ!" انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"جی! ابا جان... میں حاضر ہوں۔"

"اگر حاضر ہو تو کوئی ترکیب اگل دو... فوراً..."

"ج... جی... اچھا۔" فرزانہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ابا جان نے کہا ہے... فوراً ترکیب اگل دو اور یہ اچھا اچھا کر رہی ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"بھئی... اسے موقع تو دو۔" محمود مسکرایا۔



"میں نے موقعے کو روک رکھا ہے کیا۔" فاروق نے تنک کر کہا۔

"یہ کیا... تم تو آپس میں لڑنے لگے... ادھر دشمن ہمارے سر پر آیا چاہتا ہے... اب اگر ہم یہاں سے واپس دڑاڑ میں جاتے ہیں تو پھر اس سے باہر نہیں نکل سکیں گے... لہٰذا ان حالات میں ہم فرزانہ کو دعوت دے سکتے ہیں۔"

"چلو فرزانہ! اب تو تمہیں دعوت بھی مل گئی..." فاروق کا انداز مذاق اڑنے جیسا تھا۔

"ہاں ہاں... کیوں... نہیں... وہ دیکھو... وہ رہی ترکیب۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"کیا کہا... وہ دیکھو، وہ رہی ترکیب... تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے باہر ترکیبیں لڑھکتی پھر رہی ہوں اور ہم آگے بڑھ کر جو ترکیب چاہیں اچک سکتے ہیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"بالکل یہی بات ہے... اب تمہیں نظر نہ آئے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے... ہم دیکھ لیتے ہیں۔"

"ضرور دیکھو... بلکہ بہت اچھی طرح دیکھو۔"

انہوں نے اپنے سامنے ہر طرف نظر دوڑائیں، لیکن دور دور تک کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔

"دیکھ لیا آپ نے ابا جان... یہ بھی کوئی مذاق کا وقت ہے۔" محمود نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

"بالکل نہیں۔" وہ فوراً بولے۔

"لیکن میں نے مذاق کب کیا ہے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"تب پھر وہ ترکیب کہاں ہے... جو تم ہم سب کو دکھانا چاہتی ہو۔"

"میری انگلی کی سیدھ میں ایک چٹان ہے... ابا جان... اگر ہم اس چٹان تک پہنچ جائیں تو ہم جنگ جیت سکتے ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں... یہی بات ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

سب نے فوراً چٹان کی طرف دیکھا... چٹان ان سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر ہو گی... درمیان میں دشمن مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔

"دیکھ لیا ابا جان... اب تو آپ کو بھی یقین آ گیا ہو گا کہ یہ فرزانہ مذاق کر رہی ہے۔"

"نن نہیں۔" انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" فاروق چونکا۔

"مم... میں... میں یہ کہنا چاہتا ہوں... فرزانہ زندہ باد..."

"جی... یہ آپ نے کیا کہا... اس نے بیٹھے بٹھائے کون سا کام انجام دیا دے دیا..." فاروق جلے کٹے انداز میں گویا ہوا۔

"یہ پوچھو... اس نے کون سا کارنامہ انجام نہیں دیا۔" انسپکٹر جمشید اب بھی اسی انداز میں بولے۔

"چلیے پھر... پہلے یہی بتا دیں۔" محمود بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"کیا بتا دوں۔"

"یہ کہ اس نے کون سا کارنامہ انجام نہیں دیا۔"

"حد ہو گئی... گولیاں برس پڑنے کو تیار ہیں اور ہم ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہیں۔" خان رحمان جھلا اٹھے۔



"ہائیں ہائیں خان رحمان! یہ آج تمہیں کیا ہوا... تم تو ہمیشہ ان کی باتوں کی تائید کرتے ہو..." پروفیسر داؤد نے حیرت ظاہر کی۔

"تائید تو میں ہمیشہ کروں گا... لیکن اس وقت صورت حال ذرا مختلف ہے... ہمیں پوری توجہ میدانِ جنگ کی طرف رکھنی چاہیے... ہاں تو جمشید... فرزانہ نے اس چٹان کی طرف کیوں توجہ دلائی ہے؟"

"اصل مسئلہ اس چٹان تک پہنچنے کا ہے..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"سوال یہ ہے کہ اگر ہم کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچ جائیں تو کیا فائدہ اٹھا لیں گے۔"

"چٹان ایک سائبان کی مانند نظر آ رہی ہے... اب اگر ہم اس سائبان کے نیچے پہنچ جائیں تو ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے بچ سکتے ہیں۔"

"لیکن جن لوگوں نے ادھر ادھر پوزیشن لے رکھی ہے، وہ تو ہمیں نشانہ بنا سکتے ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"چٹان کسی بڑے جانور کے جبڑے جیسی نظر آ رہی ہے اور زمین سے بلند ہے... لہٰذا ادھر ادھر جو لوگ پوزیشن لیے ہوئے ہیں، وہ ہمیں دور رہ کر نشانہ نہیں بنا سکتے... جب تک کہ چٹان کے نزدیک نہ پہنچ جائیں... اور نزدیک آنے کی صورت میں وہ ہمارے پتھروں کا بہت آسانی سے نشانہ بن سکتے ہیں... لہٰذا وہ آگے نہیں آئیں گے... ان حالات میں ہمارے لیے یہ سائبان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت سے کم نہیں..."

"بس تو پھر مسئلہ صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اس چٹان تک پہنچیں کیسے؟"

"اس کے لیے بھی فرزانہ سے پوچھ لیتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان... صرف مجھی سے کیوں...؟" فرزانہ کی گھبرائی ہوئی آواز

سنائی دی۔

وہ مسکرادیے...

''خیر میں کبھی سے پوچھ لیتا ہوں۔''

''تو ابا جان... آپ خود سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔'' فاروق جلدی سے بولا۔

''میرے لیے وہاں تک پہنچنا کچھ مشکل نہیں... بات تم لوگوں کی ہے۔''

''اصل مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس ان لوگوں نے کچھ رہنے نہیں دیا... نہ ہمارے پاس سفوف نہ کوئی دوسری چیز... ورنہ ہم کوئی دھماکا وغیرہ کر کے چند لمحوں کی مہلت حاصل کر سکتے تھے...'' پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

ایسے میں ہیلی کاپٹر کی آواز نزدیک آگئی... اور دراڑ پر فائرنگ ہونے لگی:

''اب چٹان تک پہنچنا اور مشکل ہو گیا، لہٰذا اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔''

''تب تو پھر جمشید... ہم مارے گئے۔'' خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

''نہیں خیر... اللہ کی مہربانی سے ہم زندہ ہیں۔''

ایسے میں اسپیکر پر کہا گیا:

''تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھائے دراڑ سے باہر آؤ... ہم فائرنگ روک رہے ہیں... اگر تین منٹ کے اندر تم لوگ باہر نہ نکلے تو پھر دراڑ کے دونوں طرف سے ہمارے آدمی اندر داخل ہو جائیں گے... اور اس صورت میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر ہاتھ اٹھا دیتے ہو... تو کسی ایک کو بھی ہلاک نہیں کیا جائے گا... ہم لوگ یہاں کام کرنے والوں کو مار ڈالنے کے حق میں سرے سے نہیں ہیں... کیونکہ ہمارے لیے زندہ آدمی مردہ سے زیادہ کار آمد ہیں...''



اعلان ختم ہوتے ہی انسپکٹر جمشید نے ہاتھ اٹھا دیے اور دراڑ سے باہر آگئے... باقی ساتھیوں نے بھی یہی کیا... کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا... اس طرح انہیں پھر کوئی موقع مل سکتا تھا۔

فوراً ہی انہیں رائفل بردار لوگوں نے گھیرے میں لے لیا... ایسے میں اوپر سے آواز آئی.. ''ہم آرہے ہیں... تمام لوگ تیار ہو جائیں... انہیں وادی کے عین درمیان میں قربان گاہ پر لے آیا جائے۔'' اوپر سے آواز آئی۔

''کیا کہا... قربان گاہ... گویا تم نے ہمیں دھوکا دیا۔''

''نہیں... تم لوگوں کو جان سے نہیں مارا جا رہا...''

رائفلوں کے درمیان چلتے ہوئے وہ وادی کے عین درمیان میں پہنچ گئے... وہ ایک اونچی جگہ تھی... اس اونچی جگہ کے چاروں طرف انسان ہی انسان تھے... دھوپ میں پتھر توڑتے توڑتے ان کے رنگ روپ بدل چکے تھے... خوراک کی کمی نے ان کی ہڈیاں نکال کر رکھ دی تھیں... ان کی آنکھوں میں صرف اور صرف نا امیدی تھی... امید کی کوئی کرن کسی آنکھوں میں قطعاً نہیں تھی... گویا انہیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ یہاں سے مر کر ہی نجات پائیں گے، اس سے پہلے نہیں،

اس وقت بھی جب کہ انہیں وادی کے بیچوں بیچ لایا جا رہا تھا... ان کی آنکھوں میں کوئی امید کی کرن نظر نہیں آئی تھی... اگر چہ کچھ دیر پہلے وہ سب انہیں لڑتے ہوئے دیکھ چکے تھے...

وادی کے درمیان میں ایک بہت بڑا چبوترا تھا... اور بہت اونچائی پر تھا... اس پر جانے کے لیے پتھر کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئیں تھیں... اسی چبوترے کو قربان گاہ کہا گیا تھا... شاید وہاں لوگوں کو موت کی سزا دی جاتی تھی... اب سب کی نظریں ان پر جمی تھیں... ادھر ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا۔ آخر وہ ایک ہموار قطع

پر اتر گیا... پھر اس کا دروازہ کھلا اور انہوں نے اسی شخص کو اترتے دیکھا... جس کی تصویر وہ اسکرین پر دیکھتے رہے تھے... جونہی وہ زمین پر اترا... وہ سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ یہ منظر دیکھ کر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی دھک سے رہ گئے...

اس وقت باس کی آواز گونجی:

''یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟''

☆☆☆



## باس کی بیٹی

''کیا دیکھ رہے ہیں ڈیڈ۔'' لڑکی کی آواز سنائی دی۔

''ان لوگوں نے ہمیں سجدہ نہیں کیا۔'' باس کی آواز گونجی۔

''نئے ہیں نا... انہیں کیا معلوم... شاگی... انہیں بتاؤ... یہاں کے آداب۔'' لڑکی چلائی۔

''او کے بے بی صاحبہ۔'' شاگی مسکرایا... پھر ان کی طرف مڑا۔

''تم دیکھ رہے ہو... سب لوگ باس کو سجدہ کر رہے ہیں... تمہیں بھی سجدہ کرنا ہوگا۔''

''لیکن سجدہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔'' فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

''وہ عبادت کا سجدہ ہے... یہ تعظیمی سجدہ ہے... لہٰذا تم لوگوں کو بھی سجدہ کرنا ہوگا۔'' شاگی نے فوراً کہا۔

''تعظیمی سجدہ پہلی امتوں کے لیے تھا... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تعظیمی سجدے کی بھی اجازت نہیں... ایسا کرنا حرام ہے... مغلیہ بادشاہ اکبر نے خود کو سجدہ شروع کر دیا تھا... تو حضرت مجدد الف ثانی اکیلے اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے تھے اور اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا... یہاں تک کہ وہ راہ

راست پر آ گیا تھا... آج تم لوگ ہم سے یہ کام کرانا چاہتے ہو... لگتا ہے... تم لوگوں کے بھی راہ راست پر آنے کا وقت آ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"مطلب یہ کہ ان شاء اللہ تم لوگ بھی اس حرام کام سے باز آ جاؤ گے۔"

"پکڑ لو انہیں اور زبردستی سجدہ کرا دو۔" باس نے غرا کر کہا۔

ابھی تک وہ اسے نہیں دیکھ سکے تھے... بس اس کی آواز سن رہے تھے... نہ جانے وہ کہاں تھا... غالباً چاروں طرف سپیکر لگے تھے... ان کے ذریعے اس کی آواز نشر ہو رہی تھی۔

شاگی نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا... وہ ان کی طرف بڑھے اور یہی ان کی غلطی تھی.. جونہی وہ ان کے نزدیک آئے.. انسپکٹر جمشید نے ان میں سے دو کو دبوچ لیا، خان رحمان نے ایک کو نیچے اچھال دیا... محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ان پر حملہ آور ہو گئے... انہوں نے بھی آن کی آن میں دو تین کو نیچے گرا دیا... اتنے میں انسپکٹر جمشید ایک رائفل چھین چکے تھے... بس پھر کیا تھا، جو چبوترے پر آیا... انہوں نے اسے نشانہ بنا دیا اور جو گرتے گئے باقی لوگ ان کی رائفلوں پر قبضہ کرتے چلے گئے... ساتھ ہی انہوں نے ادھر ادھر فائرنگ شروع کر دی... انسپکٹر جمشید نے ہیلی کاپٹر کا نشانہ لیا اور اوپر تلے کئی فائر کر ڈالے... وہ زیادہ اونچائی پر تو تھا ہی نہیں... گولیاں سیدھی اسے جا لگیں اور اس میں آگ لگ گئی... وہ گرتا نظر آیا... بس پھر کیا تھا... ہر طرف ہو ہا مچ گئی... پتھر توڑنے والے کوڑوں والوں پر ٹوٹ پڑے... جن کے پاس رائفلیں تھیں... انہوں نے پتھر توڑنے والوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا... لیکن وہ کب تک ایسا کرتے... وہ گنتی کے تھے کتنے... مزدور لوگ تو ہزارہا تھے... جب ہزاروں کا مجمع سو دو سو افراد پر پل پڑے... تو پھر وہ رائفلیں چلانا بھی بھول جاتے ہیں... دوسری



طرف انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی رائفلوں والوں کو نشانہ بنا رہے تھے... ان حالات میں وہ بدحواس نہ ہوتے تو کیا کرتے... کچھ گولیاں کھا کر گر گئے... کچھ بھاگ نکلے... لیکن مزدوروں کا ہجوم انہیں بھاگنے کب دیتا... سالہا سال تک انہوں نے ان پر ظلم توڑے تھے اور انہوں نے ظلم سہا تھا... آج ہی تو انہیں موقع ملا تھا... وہ بھلا دلوں کی بھڑاس کیوں نہ نکالتے...

انہوں نے بھی انہیں روکنا مناسب نہ سمجھا... اس قدر ظلم سہنے والوں کو دلوں کی بھڑاس نکالنے کا پورا پورا حق تھا... اب صورت حال یہ تھی کہ کوڑوں والے اور رائفلوں والے بری طرح مار کھا رہے تھے...

ایسے میں ان لوگوں نے ہیلی کاپٹر کا رخ کیا... انہیں دراصل اس شخص کی فکر تھی جسے انہوں نے سکرین پر دیکھا تھا... وہی اس سارے گھناؤنے کاروبار کا کرتا دھرتا تھا... وہ چاہتے تھے کہ اسے زندہ گرفتار کریں... ہیلی کاپٹر زیادہ اونچائی سے نہیں گرا تھا... اس لیے اس کے بچ جانے کے امکانات تھے... ہیلی کاپٹر کے صرف ایک طرف آگ لگی تھی...

ہیلی کاپٹر کی طرف ان کے علاوہ کسی اور نے دھیان نہیں دیا تھا... سب لوگ تو قابو میں آئے ہوئے دشمنوں کی مرمت کرنے میں مگن تھے... انہوں نے دیکھا ہیلی کاپٹر میں تین آدمی بری طرح پھنسے ہوئے تھے... انہوں نے بڑی مشکل سے انہیں باہر نکالا... اور یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ ان میں سکرین والا موجود نہیں تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد تینوں ہوش میں آ گئے:

"تمہارا باس کہاں ہے... کیا وہ ہیلی کاپٹر پر نہیں تھا۔"

"نہیں... آج وہ نہیں آ سکے... طبیعت خراب تھی ان کی۔"

"چلو ہمیں اس تک لے چلو... اگر گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی یا ہمیں غلط سمت لے جانے کی کوشش کی تو ہم تم لوگوں کو فوراً شوٹ کر دیں گے۔"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا... اور اسی عمارت کی طرف چلنے لگے جس میں انہوں نے سکرین پر باس کو دیکھا تھا... وہ انہیں سیدھے اسی کمرے میں لے آئے:

"یہ کیا... تمہارا باس یہاں کب ہوتا ہے... یہاں تو سکرین پر اس کی صرف تصویر نظر آتی ہے..."

"ہم نے اسے ہمیشہ اسی کمرے سے باہر آتے دیکھا ہے... ہم بھی اس عمارت کے اسی حصے تک واقف ہیں... ہمارا کام صرف ہیلی کاپٹر لے کر جانا اور واپس لانا ہے اور بس۔"

"ہوں اچھا خیر..."

اب انہوں نے عمارت کے باقی کمروں کی تلاشی لی... عمارت میں تین کمرے تھے... ایک کمرہ تو وہی سکرین والا تھا... دو کمروں میں بستر وغیرہ لگے تھے... ان میں سے ایک بستر پر چند لمبے بال نظر آئے... اس سے انہوں نے جائزہ لیا... یہ اس لڑکی کے ہیں...

"یہ لڑکی باس کی بیٹی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہمیں یہی معلوم ہے۔" ایک نے کہا۔

"ہوں! اسے تو ہم نے میدان میں دیکھا تھا... کہیں لوگ اسے ختم نہ کر دیں۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی... وہ سیدھے اس چبوترے پر پہنچے جس سے مہم شروع ہوئی تھی... پھر انہوں نے بلند آواز میں کہا:

"لوگو! میری بات سنو۔"



ان کی آواز میں نہ جانے کیا تھا کہ سب نے اپنے ہاتھ روک لیے اور مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے... تاہم ایسے میں بھی انہوں نے اپنے شکاروں کو چھوڑا نہیں تھا...

"وہ لڑکی کہاں ہے... جو باس کو اپنا باپ کہتی ہے۔"

"وہ ادھر ہے ہمارے محسنو!" کئی آوازیں ابھریں۔

"کیا تم نے اسے بھی مارا پیٹا ہے۔"

"جی نہیں... جی تو بہت چاہ رہا تھا، لیکن عورت ذات ہے ہم نے اسی لئے ہاتھ نہیں اٹھائے۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا... اس سے ہمیں معلومات حاصل ہوں گی... اس پر نظر رکھنا... کہیں یہ نکل نہ بھاگے۔"

"آپ فکر نہ کریں... ان میں سے تو اب ایک بھی نہیں بھاگ سکے گا۔" کئی آوازیں ابھریں

"بہت خوب!" انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر عمارت کی طرف دوڑ پڑے۔ اندر داخل ہوتے ہی محمود کی آواز ابھری:

"افسوس... وہ نکل گیا۔"

"نکل تو خیر نہیں سکتا..."

"جی... کیا مطلب؟"

"وہ یہیں کہیں ہے... کہیں چھپ گیا ہے... کسی گاڑی یا ہیلی کاپٹر کے بغیر اس کے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں... ہیلی کاپٹر کو ہم نے مار گرایا ہے اور آس پاس کسی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی ہم نے آواز سنی نہیں... ایک منٹ ٹھہرو۔"

یہ کہہ کر وہ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی طرف مڑے:

"یہاں ان لوگوں کے پاس کل کتنی گاڑیاں ہیں۔"

"اپنی ضرورت کے لیے یہاں پانچ گاڑیاں رکھتے ہیں... اور ایک یہ ہیلی کاپٹر کھڑا ہے..."

"گاڑیاں کہاں کھڑی کی جاتی ہیں۔"

"اسی عمارت کے نیچے ایک چٹان کی اوٹ میں۔"

"چلو جلدی کرو۔"

وہ اس طرف آئے... جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں... پانچ کی پانچ موجود تھیں:

"دیکھا... میں نہ کہتا تھا..."

"تب پھر وہ کہاں ہے۔"

"افسوس۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"افسوس... کس بات پر افسوس ہے آپ کو۔"

"اسے تلاش کرنا اب بہت مشکل کام ہوگا... جب ہم نے ہنگامہ برپا کیا وہ اس وقت میدان میں تھا..."

"جی کیا مطلب... یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"جب ہنگامہ شروع ہوا... اس وقت سے لے کر اب تک میں نے عمارت کے دروازے کی طرف نظر رکھی ہے... کوئی اس میں گیا، نہ باہر نکلا... اس عمارت کا اور کوئی دروازہ نہیں ہے... باہر نکلنے کا اور کوئی بھی راستہ نہیں ہے... لڑکی کو بھی میں نے اس عمارت کے دروازے ہی سے باہر آتے دیکھا تھا... کیوں بھئی... تم اس بارے میں کیا کہتے ہو... کیا اس عمارت سے نکلنے کا کوئی اور راستہ موجود



ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا کہا... کوئی اور راستہ موجود ہے۔" وہ چونکے۔

"جی ہاں۔"

"جلدی بتاؤ... وہ راستہ کس طرف ہے۔"

"آیئے۔"

وہ اس کمرے میں آئے... جس میں مردانہ کپڑے موجود تھے... یہی باس کا کمرہ تھا... اس کے فرش پر ایک چوکور ٹکڑا نظر آیا... پاس ہی دیوار سے ایک لیور لٹکا نظر آیا... ایک نے اس لیور کی مدد سے اس ٹکڑے کو اوپر اٹھا دیا... انھیں سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں... وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتے چلے گئے... اگرچہ اس بات کا شدید خطرہ موجود تھا کہ کہیں باس کی طرف سے ان پر فائر نہ ہو جائے... لیکن ان پر کچھ اس درجے جوش سوار تھا کہ انھوں نے کوئی پروا نہ کی... اور اترتے چلے گئے...

جلد ہی وہ اس ڈراڑ میں تھے... جس میں وہ تھوڑی دیر پہلے پھنس کر رہ گئے تھے...

"اگر وہ وہاں سے نکل کر اس ڈراڑ تک آیا تھا... تو پھر جمشید وہ ان لوگوں میں ہی شامل ہو سکتا تھا... بھاگ نہیں سکتا... کیونکہ اس صورت میں ہم گاڑی کو جاتے دیکھ لیتے اور اس پر فائرنگ کر دیتے... لہٰذا اس کے لیے سب سے بہترین ترکیب یہ تھی کہ وہ لوگوں میں شامل ہو جائے... چنانچہ اس نے ہاتھ میں ایک ہتھوڑا لے لیا اور مزدوروں میں شامل ہو گیا۔"

"اوہ اوہ..." ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آپ کا مطلب ہے... اب وہ ان لوگوں میں شامل ہے... جو کوڑے والوں کو اور رائفلوں والوں کو مار پیٹ رہے ہیں۔"

"ہاں! اس نے سوچا کہ ہزار ہا لوگوں میں اسے کوئی کیسے پہچان سکے گا۔"

"جب کہ اس کا یہ خیال غلط ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"وہ کیسے؟" فاروق اس کی طرف مڑا۔

"ہم اس کا چہرہ اسکرین پر دیکھ چکے ہیں..."

"اگر اس کا چہرہ وہی ہے... تب تو ان ہزار لوگوں میں اسے پہچاننا مشکل نہیں ہوگا... لیکن اگر وہ اسکرین پر حلیہ بدل کر آتا رہا ہے تو؟" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے... اور ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگے۔

"اوہ... اس صورت میں ہمارے لیے بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"اور وہ بری طرح شکست کھا جانے کے بعد بھی ہم پر بری طرح ہنسے گا... کیونکہ سارا مال اور دولت تو وہ اپنے کسی آبائی شہر کے بنکوں میں رکھتا ہوگا... بیگار کیمپ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ عیش کرے گا۔"

"لیکن ابا جان! اس کا کمرہ موجود ہے... وہاں اس کی انگلیوں کے نشانات تو ملیں گے... دوسری بات... اس کی لڑکی تو اس کے اصل چہرے سے واقف ہے... ہم اس کے ذریعے اسے پہچان سکتے ہیں۔"

"شاید یہ اتنا آسان نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"کیا مطلب جمشید..." خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"ہو سکتا ہے... وہ اس لڑکی کے سامنے بھی نہ آتا ہو... جس طرح ہیلی کاپٹر اڑانے والے تینوں آدمیوں کے سامنے نہیں آتا تھا۔"

"یہ انھوں نے کہا ہے کیا؟..." پروفیسر داؤد بولے۔



"انھوں نے نہیں کہا... بلکہ میں نے کہا... آؤ... ان چاروں سے معلوم کرتے ہیں..."

پہلے وہ اس لڑکی کے پاس آئے۔

"اس گروہ کا باس کیا تمہارا باپ تھا؟"

"نن نہیں..." وہ ہکلائی۔

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔

☆☆☆

# فنگر پرنٹ

"مجھے بھی یہاں اغوا کر کے لایا گیا تھا... میں اس وقت بہت چھوٹی تھی... مجھے نہ تو اپنے ماں باپ کے بارے میں کچھ معلوم ہے... نہ اپنے شہر یا گھر کے بارے میں معلوم ہیں... مطلب یہ کہ میں یہیں جوان ہوگئی... میں نے اسے بابا جان کہنا شروع کر دیا... اور اس نے بیٹی... مجھ پر کبھی ڈنڈے نہیں برسائے گئے... نہ پتھر تڑوائے گئے... بلکہ مجھے ان لوگوں پر نگران مقرر کر دیا گیا..."

"اوہ!" وہ بولے۔

"اچھا تم نے اسے دیکھا تو ہوگا۔"

"میں نے یا ان تینوں نے جو ہیلی کاپٹر اڑاتے ہیں... کبھی اس کا اصل چہرہ نہیں دیکھا... اسکرین پر جو چہرہ نظر آتا ہے... بس ہم بھی ویسا ہی چہرہ دیکھتے رہے ہیں... مطلب یہ کہ وہ ہمارے سامنے آتا تو تھا... لیکن اصل چہرے میں نہیں آتا تھا..."

"چلو میرا بھی بالکل یہی خیال تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب... اب کیا ہوگا۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اب اگر وہ اصل شکل میں مزدوروں میں شامل ہو جائے... تو کیا ہم جان سکیں گے... اس گروہ کا باس کون تھا..."



"ہاں! کیوں نہیں جمشید..." پروفیسر داؤد بولے۔

"جی... کیا مطلب؟"

"مزدوروں کے جسموں پر جو کپڑے ہیں... اس کے جسم پر ویسے کپڑے نہیں ہو سکتے..."

"یہ کوئی بات نہیں۔" لڑکی بولی۔

"یہ کوئی بات نہیں... کیا مطلب؟"

"اس دراڑ میں... ایک ایسی جگہ موجود ہے... جہاں بارش کا پانی نہیں پہنچ سکتا... وہاں ان مزدوروں کے کپڑے رکھے جاتے ہیں... اس نے وہاں آ کر پہلے مزدوری والا لباس پہنا ہوگا۔"

"ارے واہ... تب تو اس کا لباس وہاں موجود ہوگا۔"

"ہونا تو چاہیے۔"

"آؤ میرے ساتھ... باقی لوگ یہیں ٹھہریں اور نظر رکھیں... کوئی ادھر ادھر ہونے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔"

"اچھی بات ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

انسپکٹر جمشید ان چاروں کے ساتھ دراڑ میں اس جگہ پہنچے... جہاں لباس کا ڈھیر موجود تھا... فوراً انھیں باس کا لباس نظر آ گیا... وہ ایک شاہانہ لباس تھا... لیکن قدرت نے اسے وہ شاہانہ لباس اتار کر مزدوروں والا لباس پہننے پر مجبور کر دیا تھا... اور اب وہ مزدوروں میں شامل ہو چکا تھا...

انھوں نے لباس کا جائزہ لیا... اور پھر بے ساختہ مسکرا دیے... مجرم سے بہت بڑی غلطی ہو چکی تھی... اور اس غلطی کی طرف گھبراہٹ کے عالم میں اس کا خیال تک نہیں گیا تھا... چالاک تو وہ بے حد تھا... تبھی اس نے فوری طور پر یہ تدبیر اختیار کر

لی تھی... لیکن اس کی چالاکی اس غلطی کو نہ پہنچ سکی... انھوں نے لباس کو اپنے قبضے میں کرلیا اور ان سے بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

پھر وہ مجمع میں واپس آئے... چبوترے پر چڑھ کر انھوں نے سب لوگوں پر ایک نظر ڈالی... اور بولے:

"بھائیو! اللہ کا شکر ادا کرو... تمہاری مصیبت کے دن کٹ گئے... بعض لوگ تو یہاں تیس پینتیس سال سے آئے ہوئے ہیں... گویا ان کی زندگی کا نصف سے زیادہ حصہ یہاں گزر گیا... اُف... یہ کس قدر ظلم ہے... اندھیر ہے... افسوس... ایسے لوگوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں... اپنے جیسے انسان پر بھی وہ کوئی رحم کرنے پر تیار نہیں... ان کا کیا بگڑتا ہے، اگر یہ لوگ باقاعدہ مزدور رکھ کر یہ کام کرا لیں... مزدوروں کو تنخواہیں دیں... اوقات مقرر کرلیں... اور بس... یہی نا کہ ہزارہا لوگوں کو تنخواہیں دینا پڑتی ہیں... تو کیا ہوا... یہی نا کہ کمائی میں کمی آجاتی ہے... تو کیا ہوا... وہ ایک گھناؤنے جرم سے تو بچ سکتے ہیں... ہم آئے دن سنتے ہیں... فلاں کا بچہ اغوا ہوگیا... فلاں کی بچی غائب ہوگئی... ہائے افسوس... وہ ماں باپ سے ان کے جگر کے ٹکڑے چھین لیتے ہیں اور ذرا نہیں ڈرتے... اللہ کی بے آواز لاٹھی کی بھی پروا نہیں کرتے..."

اب میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں... ہر شخص کو اس کے گھر تک پہنچاؤں گا... بشرطیکہ اسے اپنے گھر کا کچھ پتا ہو... شہر کا نام جانتا ہوں... اور جب کچھ بھی یاد نہیں... ایسے لوگوں کے بارے میں اخبارات میں اشتہارات پر اشتہارات دیے جائیں گے... تاکہ جن کے جگر کے ٹکڑے غائب ہوتے ہوں... وہ آ کر ان لوگوں کو دیکھ لیں... پہچان سکتے ہیں تو پہچان لیں... جن لوگوں کے کسی طرح بھی ماں باپ



وغیرہ نہ مل سکے... ان کے لیے بھی باعزت رہائش اور روزگار کا انتظام کیا جائے گا... انھیں یونہی بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیا جائے گا... کیا یہ سن کر آپ مطمئن ہیں...

"کیوں نہیں... اللہ آپ لوگوں کا بھلا کرے... آپ انسان نہیں... فرشتے ہیں..."

"نہیں بھئی... یہ نہ کہیں... اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے... انسان فرشتوں سے افضل ہے... انسان اگرچہ خدا کی مخلوق ہے... اور فرشتے نوری... لیکن انسان فرشتوں سے افضل ہے... انسان میں اللہ کا نور موجود ہے... لہٰذا ہمیں آپ لوگ انسان ہی رہنے دیں... اب ہمیں ہر کام ایک نظم و ضبط سے کرنا ہے... گھبرانے اور جلد بازی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، الٹا کام خراب ہوگا... جہاں آپ نے اتنی مدت یہاں اتنی تکلیف میں گزاری... وہاں چند دن اور سہی... ہم پہلے تو سب لوگوں کی فہرستیں تیار کریں گے... جن لوگوں کو اپنے شہر اور گھر وغیرہ کا پتا ہے... اس فہرست میں اس کا اندراج کراتے جائیں گے... اور جن لوگوں کو کچھ یاد نہیں... انہیں مہمان کے طور پر کچھ زیادہ دن ہمارے پاس رہنا ہوگا..."

اس کے بعد یہ کام شروع ہوگیا۔ انسپکٹر جمشید کو فکر تھی اصل مجرم کی... اور اصل مجرم ان میں گھل مل گیا تھا... ان کے سب ساتھی فہرست تیار کرنے کا کام کر رہے تھے... وہ ایک طرف بیٹھے سب لوگوں کو غور سے دیکھ رہے تھے...

انہوں نے مجرم کی صرف تصویر اسکرین پر دیکھی تھی... اب ظاہر ہے، وہ میک اپ زدہ چہرہ تھا... لیکن حرکات و سکنات اصل تھیں... انہوں نے اس وقت بہت غور سے اس کی حرکات اور سکنات کو نوٹ کیا تھا... اب لائنوں میں لوگ آ رہے تھے... فہرستیں تیار کرنے والے ان کے ساتھیوں کے علاوہ کچھ اور بھی لوگ تھے... پڑھے لکھے لوگ انہوں نے الگ کر لیے تھے... جو لوگ نام لکھوا لیتے... انہیں

ہدایت تھی کہ ان کے سامنے سے ایک ایک کر کے گزریں... وہ ہر ایک کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے... ہر ایک سے چند سوال کر رہے تھے... تا کہ حرکات اور سکنات کا بخوبی اندازہ ہو سکے...

اور پھر آخر اس تدبیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کی نظریں ایک شخص پر جم گئیں... ان کی چھٹی حس بیدار ہو گئی... تاہم انہوں نے اس پر کوئی شک ظاہر نہ کیا... اس سے بھی معمولی سوالات کیے اور آگے جانے دیا... یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اس کا نام حلیہ وغیرہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا... اسی طرح کچھ اور لوگوں پر بھی انہیں شک گزرا... اب انہیں ان کی باقاعدہ فہرست بنانا پڑی۔

اس کام میں دو دن لگ گئے... آخر انہوں نے سب لوگوں کو میدان میں جمع ہونے کا اعلان کر دیا... آدھ گھنٹے کے اندر سب جمع ہو گئے... انہوں نے فہرست جیب سے نکالی... اور نام پکارنے لگے... یہ پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ جس کا نام پکارا جائے... وہ آگے آ جائے...

وہ نام پکارتے چلے گئے... یہ کل بیس نام تھے... جب انہوں نے آگے آنے والوں کے نام گنے... تو وہ بیس ہی تھے... گویا سب آ گئے تھے... سب سے پہلے انہیں جس پر شک گزرا تھا... وہ بھی ان میں شامل تھا... اور اس وقت بھی اسی پر انہیں شک تھا... چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے اسے اپنے سامنے بلایا:

وہ بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو انہوں نے پوچھا:

"تو آپ کا نام خاور عباس ہے۔"

"جی ہاں!"

"آپ کو کس عمر میں یہاں لایا گیا تھا؟"

"میں اس وقت چھ سال کا ہوں گا۔"



"کچھ یاد ہے... آپ کا گھر کس شہر میں تھا۔"

"جی نہیں... مجھے کچھ یاد نہیں... پینتیس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں یہاں آئے ہوئے... کچھ یاد نہیں رہا... بس دھندلی سی یادیں باقی ہیں... لیکن میں کچھ بتا نہیں سکتا۔"

"اچھی بات ہے... آپ اس طرف آ کر بیٹھ جائیں۔"

وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا... اب انہوں نے باقی لوگوں سے بھی اسی قسم کے سوالات کیے، انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے شہر کا نام بتا سکتے ہیں اور گھر کی بھی کس حد تک نشان دہی کر سکتے ہیں۔

انہوں نے ان لوگوں کو الگ کر دیا اور پہلے کو پھر بلایا...

"صرف آپ ایسے ہیں جو اپنے شہر کا نام نہیں بتا سکتے... ورنہ سب لوگ کم از کم شہر کا نام بتا سکتے ہیں۔"

"شاید میں اس وقت زیادہ چھوٹا تھا..." اس نے کہا۔

"محمود! ان کی انگلیوں کے نشانات لے لو... کمرے میں پائے جانے والے نشانات سے ملاؤ۔"

"جی بہتر!"

"آخر آپ کو مجھ پر کیا شک ہے۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اس سارے گروہ کو چلانے والا شخص عام لوگوں میں شامل ہو گیا... ہمیں اسے الگ کرنا ہے... اپنے جرائم کی سزا تو اسے مل کر رہے گی... وہ سات پردوں میں چھپ جائے تب بھی ہم اسے تلاش کر کے چھوڑیں گے۔"

"کیا آپ کا خیال ہے... وہ میں ہوں۔" اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اس بات کا امکان ہے۔"

"اب میں آپ سے لاکھ کہوں کہ میں وہ نہیں... آپ کیوں ماننے لگے بھلا۔"

"اگر آپ وہ نہیں ہیں تو یقین کرلیں... ہم آپ کو باس کی حیثیت سے کبھی نہیں پکڑیں گے۔"

"تب تو ٹھیک ہے... آپ اطمینان کرلیں۔"

"وہ تو کب کا ہو چکا ہے۔" اچانک وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"میں جان چکا ہوں کہ آپ ہی اس گھناؤنے کاروبار کے باس ہیں۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے... خود اس کا بھی برا حال ہو گیا... آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"یہ... یہ غلط ہے... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ابھی ہم فنگر پرنٹ لے رہے ہیں... ان کمروں سے ہمیں انگلیوں کے چند نشانات ملے ہیں... اگر آپ کے نشانات ان سے مل گئے... تب تو ثبوت مکمل ہوگیا... ورنہ ہم اور طریقے سے آپ کو مجرم ثابت کریں گے۔"

"اچھی بات ہے... آپ اپنا اطمینان کرلیں۔" وہ پوری گفتگو میں پہلی بار مسکرایا۔

"مجھے اسی کا انتظار تھا۔" انسپکٹر جمشید پکار اٹھے۔

"کیا مطلب... آپ کو کس کا انتظار تھا۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"اس کے مسکرانے کا... اسکرین پر یہ مسکرایا تھا... اور میں نے اس کی مسکراہٹ کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا... تصویر کا مسکرانے کا انداز اور اس شخص کے



مسکرانے کا انداز بالکل ایک ہے۔"

"غلط... بالکل غلط! آپ مجھے زبردستی مجرم ثابت کر دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں، ہم نے آج تک کسی کو زبردستی مجرم ثابت نہیں کیا... اگر تمہارے بارے میں ہم خاطر خواہ ثبوت حاصل نہ کر سکے تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا... اطمینان رکھو... اب یہ اور بات ہے کہ تمہیں مجرم ثابت کرنا ذرا بھی مشکل نہیں... دراصل تم سامنے کی ایک بات بالکل نظر انداز کر گئے۔"

"سامنے کی بات؟" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! بالکل سامنے کی بات... اگر تم عقل مند ہوتے تو کبھی بھی اپنے استقبال کے لیے ہیلی کاپٹر نہ خریدتے... ہیلی کاپٹر ایسی چیز نہیں جو بازار میں دکانوں پر مل جاتی ہے... حکومت کی منظوری کے بغیر کوئی شخص ہیلی کاپٹر نہیں خرید سکتا... جب ہم ہیلی کاپٹر کی خرید اور فروخت کا ریکارڈ چیک کریں گے... تو تمہارے بارے میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔"

"اوہ... اوہ... نن... نہیں۔" مارے خوف کے وہ چلا اٹھا۔

"دراصل تم اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ادھر کون آئے گا... کون تمہیں پوچھے گا... لیکن تم بھول گئے... یہ انسان کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آخر کار حساب تو دینا پڑتا ہے... پھر تمہارے جرائم تو ایسے ہیں جن کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ضرور دیتے ہیں۔"

"اب بولو... ہیلی کاپٹر کی خرید کے ذریعے ہم تم تک پہنچ جائیں گے یا نہیں۔"

اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا... یوں لگتا تھا جیسے اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو...

"تم کون ہو... کیا نام ہے تمہارا... کس شہر میں رہتے ہو... ظاہر ہے تم وہاں کے ایک بہت اہم آدمی ہو گے... یہی بات ہے نا۔"

اب بھی اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی... آخر انسپکٹر جمشید ہی بولے:

"اچھی بات ہے... تم نہیں بتاتے تو مجھ سے سن لو۔ ویسے اگر تم عام لوگوں میں شامل ہو کر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتے اور اپنے گھر پہنچ جاتے، تب بھی ہم ہیلی کاپٹر کے خریدار کو تلاش کر لیتے... اب سنو... تمہارا نام کنور جلال ہے... تم ہمارے ملک کی قومی اسمبلی کے رکن ہو... اور اسی بنیاد پر تم نے ہیلی کاپٹر خرید رکھا ہے... ہمارے ملک میں ذاتی ہیلی کاپٹر رکھنے والے ہوں گے ہی کتنے... دو تین... اب دو تین آدمیوں میں سے اپنے مجرم کو پہچان لینا ہمارے لیے بھلا کیا مشکل ہے... اب اگر تم کہتے ہو کہ تم کنور جلال نہیں ہو... تو ہم تمہیں جیل میں رکھیں گے اور کنور جلال سے رابطے کی کوشش کریں گے... ظاہر ہے... تم کنور جلال نہیں ہو تو پھر تو کنور جلال ہمارے سامنے آ جائے گا... لیکن اگر وہ تم ہی ہو... تو پھر کون سامنے آئے گا..."

"نن... نہیں... نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"گویا تم اپنا جرم تسلیم کرتے ہو۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا... اس کا سر سینے پر جھک گیا... شاید وہ اپنی جان نکلتی محسوس کر رہا تھا۔

"اسے جکڑ دو پوری طرح..."

اب انھوں نے وہاں سے واپسی کے انتظامات شروع کیے... دارالحکومت سے رابطہ کیا... تمام حالات سنائے اور مدد کے لیے فوج کا ایک دستہ طلب کر لیا... کیونکہ ان لوگوں کو درست طریقے سے ان کے گھروں تک پہنچانا فوجیوں کا کام تھا... ابھی وہ ان انتظامات میں مصروف تھے کہ ایسے میں ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔



# بہت بڑا آدمی

انھوں نے آواز کی طرف دیکھا۔ وہ راول تھا... وہ شخص جس سے اس وادی میں سب سے پہلے ان کی ملاقات ہوئی تھی... اور وہ وہاں شکار کھیل رہا تھا۔

"اوہ... راول... آؤ... آگے آ جاؤ..."

"راول نہیں جناب... بشیر احمد... اللہ کی مہربانی ہو گئی... آپ لوگوں کے ذریعے اس نے میری راول والی زندگی ختم کر دی..."

"اوہ ہاں... واقعی..." وہ مسکرا دیے۔

راول ان کے نزدیک آ گیا۔

"تم تو اسے پہچانتے ہو گے راول۔" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں... ہم جیسوں کے سامنے یہ کب آتا ہے... البتہ اس بارے میں آپ کی مدد اس کی بیٹی کر سکتی ہے... اور میرا خیال ہے... وہ بھی اس کی بیٹی نہیں ہو سکتی... اسے بھی بچپن میں ان لوگوں نے اغوا ہی کیا ہو گا۔"

"اوہ ہاں... ضرور یہی بات ہے... بے بی آپ ہمارے نزدیک آ جائیں... آپ سے بھی چند باتیں کر لی جائیں۔"

"میں آ رہی ہوں۔" لڑکی کی آواز سنائی دی۔

پھر وہ مجمعے میں سے نکل کر ان کے سامنے آ گئی۔

"کیا یہ تمہارا باپ ہے۔"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی... کیونکہ میں نے اسی وادی میں ہوش سنبھالا ہے۔"

"کیا یہ تمہیں اپنے گھر لے جاتا ہے... جہاں اس کے گھر کے دوسرے افراد رہتے ہیں... بیوی... بچے یا اور افراد۔"

"نہیں... میں اس وادی سے کبھی نہیں گئی۔"

"تب پھر یہ تمہیں بھی اغوا کرا کے یہاں لایا تھا... کیونکہ اس کا تو سرحدی شہر میں بہت بڑا گھر ہے... ایک محل نما گھر... یہ تو ملک کا بہت مشہور معروف آدمی ہے۔"

"نہیں! یہ مجھے اس گھر میں کبھی نہیں لے گیا۔"

"اور کیا یہ تمہارے سامنے آتا رہا ہے۔"

"ہاں! مجھ میں اور دوسرے لوگوں میں اتنا فرق ہے کہ یہ میرے سامنے آتا رہا ہے... میں اس کے کمرے میں جاتی رہی ہوں... کیونکہ میں تو یہی خیال کرتی رہی کہ میں اس کی بیٹی ہوں... اور یہی جگہ اس کا گھر ہے..."

"تب پھر کیا یہ وہی شخص ہے جسے تم دیکھتی رہی ہو۔"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"ارے واہ! یہ تو ایک اور ثبوت مل گیا..." فاروق نے جھک کر کہا اور سب لوگ مسکرانے لگے... پھر ان کی واپسی کا پروگرام شروع ہوا... ایسے میں راول نے ان سے کہا۔

"کم از کم مجھے آپ لوگ میرے گھر تک پہنچائیں۔"

انھوں نے راول یعنی بشیر احمد کی طرف دیکھا... اس کی آنکھوں میں نہ



جانے کیسی التجا تھی کہ وہ اس کی خواہش رد نہ کر سکے...

"اچھی بات ہے... تمہارا گھر دارالحکومت ہی میں تھا... ہمیں بھی وہیں جانا ہے... لیکن یہ خیال رہے... سب لوگوں کا جب تک انتظام نہیں ہو جاتا، ہم اس وقت تک اپنے گھر کا رخ نہیں کریں گے اور تمہیں بھی ہمارے ساتھ رہنا ہو گا۔"

"کوئی پروا نہیں۔"

اور پھر وہ انتظامات میں لگ گئے۔ اس کام میں انھیں پندرہ دن لگ گئے... پھر پندرہ دن بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہو سکے... اس وادی سے نکلنے کا راستہ اس لڑکی کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا...

وہ اپنے شہر پہنچے... اس کیس میں کافی دن لگ گئے تھے... ان کا جی چاہ رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائیں... بشیر احمد کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے... پہلے وہ اسے اس کے گھر تک پہنچانا چاہتے تھے...

بشیر احمد کو اپنے محلے کے بارے میں کچھ باتیں یاد تھیں، اسکول کا نام یاد تھا... چنانچہ انھوں نے محکمہ تعلیم سے پرانے رجسٹر نکلوائے اور اس سکول کا نام تلاش کیا... سکول سٹلائیٹ ٹاؤن میں تھا... وہ وہاں پہنچے... اسکول کا پتا کیا... اب وہاں اسکول نہیں تھا... انھوں نے اس علاقے کے چند بڑے بوڑھوں سے ملاقاتیں کیں... بشیر احمد کے بارے میں انھیں بتایا... آخر ایک بوڑھے نے کہا۔

"ہاں بشیر احمد نام کا ایک لڑکا بچپن میں اغوا تو ہوا تھا یہاں سے... وہ صبح اسکول جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور پھر لوٹ کر نہیں آیا تھا۔"

"کک... تو... تو آپ میرے گھر کے بارے میں جانتے ہیں۔"

"ہاں! لیکن تمہارے ماں باپ کب کے فوت ہو چکے ہیں تمہارے غم میں رو رو کر... تمہارے تین بھائی باقی ہیں... تینوں کی یہاں زمین بھی ہے... وہ اس پر

کاشت کرتے ہیں... ماں باپ کے زمانے سے ہی زمین ان کی چلی آرہی ہے۔"

"ہاں... ہاں... میرے تین بھائی اور تھے... مجھ سے بڑے۔"

"بالکل ٹھیک... آؤ... میں تمہیں لے چلتا ہوں۔"

وہ انھیں ایک گھر تک لے آیا۔ گھر کافی بڑا اور شان دار تھا۔ بڑے میاں نے خود ہی دروازے پر دستک دی... بشیر احمد سے ملتی جلتی شکل کا ایک شخص باہر نکلا...

"شمشیر احمد... یہ دیکھو... یہ کون ہے..."

شمشیر احمد نے بشیر احمد کی طرف دیکھا... لیکن پہچان نہ سکا...

"میں نہیں جانتا، یہ کون ہے۔" اس نے کہا۔

"ارے بھئی... یہ تمہارا وہ بھائی ہے... جو بچپن میں گم ہو گیا تھا..."

"کیا!!!" وہ چلا اٹھا... اس کا رنگ اڑ گیا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر اس کے دونوں بھائی بھی باہر آگئے۔

"کیا ہوا شمشیر احمد۔"

"یہ... یہ دیکھو... کوئی فراڈ شخص آیا ہے... کہتا ہے... میں تمہارا وہ بھائی ہوں... جو بچپن میں اغوا ہو گیا تھا..."

"کیا بکواس ہے... اس بات کو 35 سال گزر گئے... یہ ضرور ہمارے خلاف کوئی سازش ہے... زمین ہتھیانے کا چکر ہے..."

"نہیں نہیں... مجھے دیکھو... میں تمہارا چھوٹا بھائی ہوں... میں... میں تم سے کچھ نہیں مانگتا... مجھے کچھ نہیں چاہیے... بس تم مجھے اپنے پاس رکھ لو..." بشیر احمد رو پڑا... ان کے دل بھی بھر آئے۔

"جاؤ جاؤ... یہ فریب کسی اور کو دینا..." دوسرا بھائی ہاتھ نچا کر بولا۔

بشیر احمد نے بے بسی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا... اس وقت انسپکٹر



جمشید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سنو بشیر احمد... تمہارے بھائیوں کو فکر یہ ہے کہ اب انھیں زمین میں سے اور مکان میں سے تمہیں حصہ دینا پڑے گا... ہم عدالت کے ذریعے تمہیں تمہارا حق دلوا سکتے ہیں... یہ کام ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں... ہم تمہیں ان کا سگا بھائی بھی ثابت کر دیں گے... اگر تم پسند کرو... ورنہ..." کہتے کہتے وہ رک گئے۔

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ... تم ہمارے ساتھ چلو... اللہ نے چاہا تو تم باعزت زندگی گزار سکو گے... کسی قسم کی کمی محسوس نہیں کرو گے..."

"مم... میں... میں کیا کہوں... میرے بھائیوں... کیا میں ان کے ساتھ چلا جاؤں... تم مجھے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے..."

"کیوں رکھیں... تم ہمارے بھائی ہو ہی نہیں..."

"چچ... چلیے پھر..." اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا...

اس کے اس طرح رونے کا بھی تینوں بھائیوں پر کوئی اثر نہ ہوا... انھوں نے گھر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

"جی تو چاہتا ہے... انھیں عدالت میں طلب کرایا جائے..." انسپکٹر جمشید نے شدید طیش میں آ کر کہا۔

"نہیں... نہیں جناب... آخر... وہ میرے بھائی ہیں... میں یہ کیسے پسند کر سکتا ہوں..."

وہ دھک سے رہ گئے... زندگی کے عجیب رخ ان کے سامنے تھے... آخر وہ بشیر احمد کو ساتھ لیے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے

کہا۔

"بشیر احمد! تم فکر نہ کرو... ہم تمہارا بہت اچھا انتظام کریں گے... تمہیں اچھا گھر مل جائے گا... اچھا روزگار بھی ملے گا... اور ہم تمہاری شادی بھی کرائیں گے..."

"آپ... آپ جیسے لوگ بھی پولیس کے محکمے میں ہیں..." مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

"اللہ کی مہربانی سے..." فاروق نے فوراً کہا۔

اور ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

☆☆☆



## آئندہ ناول کی ایک جھلک

# عظیم اغوا

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اشتیاق احمد

☆ ملک کے ایک معروف سائنس دان ڈاکٹر جبران ڈاہر غائب۔

☆ انسپکٹر جمشید کی فوری طور پر طلبی۔

☆ ان کے ذمے ڈاکٹر جبران ڈاہر کی بازیابی لگا دی گئی۔

☆ انسپکٹر جمشید اس مہم کا آغاز ان کی تجربہ گاہ سے کرتے ہیں۔

☆ لیکن تجربہ گاہ میں ان کے لئے حیرت کے سامان موجود تھے۔

☆ محمود، فاروق اور فرزانہ اس بار ایک نئے انداز میں۔

☆ تینوں اپنے والد سے پہلے ڈاکٹر جبران تک پہنچنا چاہتے تھے۔

☆ کیا وہ ان تک پہنچ سکے... آپ کہنے پر مجبور ہوں گے...

☆ اور آخر میں ایک حیرت انگیز ناکامی۔

☆ وہ ناکامی کس کی تھی۔ حیرت ہی حیرت۔